دستِ مسیحا
نگہت سیما
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

مکمل ناول

دستِ مسیحا

نگہت سیما

اس نے جوں ہی لاؤنج میں قدم رکھا' اس کی نظر ہشام پر پڑی۔ وہ سامنے ہی صوفے کی پشت پر سر رکھے آنکھیں موندے ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور ذرا سا جھک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے' جیسے کئی راتوں سے جاگ رہا ہو اور پیشانی پر بل پڑے تھے۔ اس نے صوفے کے پاس پڑی چھوٹی ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے کو دیکھا جو سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ بہت غور سے ہشام کو دیکھ رہی تھی۔ آخر شامی کو کیا پریشانی ہے۔ تین دن ہو گئے تھے' نہ وہ گھر

آرہا تھا نہ ہی اس کا فون اٹینڈ کررہا تھا۔ ہشام نے یک دم آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بے دھیانی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر یک دم اس نے ٹانگیں پیچھے کیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم یہاں کیا کررہی ہو اہل...." اس نے بے حد ناراضی سے اسے دیکھا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا شامی! مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ لگتا ہے تم رات بھر جاگتے رہے ہو۔"

"یہ تم میری گاڈ فادر کب سے بن گئی ہو۔" وہ غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور میں نے تمہیں منع کیا تھا' تم یہاں مت آنا' جب تک میڈم نیلوفر۔ ان کی والدہ محترمہ اور ان کا وہ چہیتا بھائی یہاں ہے' لیکن تمہارے نزدیک میری بات کی بھلا کیا اہمیت ہے' بکواس کی تھی میں نے...."

"شامی...." اہل کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"تم آ نہیں رہے تھے' فون بھی اٹینڈ نہیں کررہے تھے تو...."

"تو...." اس نے اہل کی بات کاٹی اور اسی لہجے میں بولا۔

"تم نے سوچا ہشام عبدالرحمٰن مر کھپ گیا ہو گا۔ جا کر خبر لے لوں' لیکن اہل بی بی ہشام عبدالرحمٰن اب

اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہے کہ اس کی موت کی اطلاع تم تک نہ پہنچتی۔"

"ہشام۔۔۔" امل نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا۔

یہ ہشام عبدالرحمٰن تھا۔ دنیا میں اس کا واحد دوست، ہمدرد، غمگسار۔۔۔ آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ وہ یک دم تیزی سے پلٹی اور تقریباً دوڑتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئی تو ہشام عبدالرحمٰن کو خیال آیا یہ تو امل شفیق تھی اس کی دوست، غمگسار اور اس نے شاید اسے خفا کر دیا تھا۔ نہیں بلکہ وہ تو رو بھی رہی تھی۔

"اف۔۔۔! اور یہ میں نے کیا کیا۔۔۔ امل۔۔۔ امل رکو پلیز۔۔۔" وہ یک دم کھڑا ہوا اور تیزی سے لاؤنج کو پار کرتا اندرونی گیٹ کی طرف بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتا اسے ایک وحشت ناک چیخ سنائی دی تھی۔

"نہیں۔۔۔" وہ یک دم پلٹا تھا۔

"ماما۔۔۔" اور پھر تیر کی سی تیزی سے ان کے قریب آیا تھا۔ وہ دروازے پر ہاتھ رکھے وحشت زدہ سی کھڑی تھیں۔ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں سوجی ہوئی سی تھیں۔

"ماما۔۔۔" اس نے بے چینی سے ان کے ہاتھ تھامے۔ "کیا ہوا۔۔۔" ابھی کچھ دیر پہلے امل کے آنے سے پہلے اس نے دیکھا تھا وہ اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھیں۔ پھر کب وہ اٹھی تھیں اور کب اس کمرے تک آئی تھیں۔ شاید جب وہ امل کو پکارتا ہوا لاؤنج سے نکلا تھا۔

"وہ۔۔۔" انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ "وہ نہیں ہے۔۔۔ وہ لے گیا اسے۔"

"ماما۔۔۔" ایک گہرا سانس لے کر ہشام نے ان کے گرد اپنا بازو حمائل کیا۔ "ایسا نہیں ہے۔ آپ کی اجازت کے بغیر بھلا وہ کیسے اسے لے جا سکتے ہیں۔ وہ یہیں کہیں ہوگا۔ شاید عجو کے کمرے میں۔۔۔ آپ کو پتا ہے نا وہ کبھی کبھی چلا جاتا ہے اس کے کمرے میں۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" ان کی وحشت بھری آنکھوں میں ذرا دیر کے لیے سکون نظر آیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس کے بازو کے حلقے سے نکل کر تیزی سے ایک کمرے کی طرف بڑھیں۔ ہشام بھی ان کے پیچھے ہی چل رہا تھا۔ انہوں نے دروازے کو دھکا دیا تھا اور پھر دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے رکھے ایک پرسکون سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ سامنے ہی کارپٹ پر بیٹھا تھا۔ جبکہ عجو بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی اور وہ چاکلیٹ کھا رہی تھی۔ جبکہ کارپٹ پر بیٹھے عفان کے ہاتھ میں بھی چاکلیٹ تھی اور اس کے منہ سے بھی رال ٹپک رہی تھی۔

"عفو۔۔۔" وہ تیزی سے اندر آئی تھیں۔ انہوں نے بغیر کسی کراہت کے اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کا منہ اور ہاتھ صاف کیا تھا۔ پھر بیڈ پر بیٹھی عذرا کی طرف دیکھا تھا جو انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور اپنے دوپٹے سے خود ہی اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

"عفو تجھے منع کیا ہے نا اپنے کمرے سے نہ نکلا کر۔ کیوں باہر نکلا ہے تو۔۔۔ اگر انہوں نے دیکھ لیا تو وہ تمہیں ماریں گے۔ بہت ماریں گے۔۔۔" کسی خیال سے انہوں نے جھرجھری سی لی اور ایک بار پھر اپنے دوپٹے سے اس کے ہاتھ اور منہ صاف کرنے لگیں۔ ہشام دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں کو جن کے سر بہت چھوٹے تھے۔ چہرے پچکے تھے اور ان کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ یہ دونوں اس کے بہن بھائی تھے۔

عفان عبدالرحمٰن جو اس کے سنگ پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنے انیس سالہ بھائی کو دیکھا جو اس سے صرف چند منٹ چھوٹا تھا اور پھر عذرا عبدالرحمٰن کو جو ان سے پانچ سال چھوٹی تھی۔ لوگ کہتے تھے وہ شاہ دولہ کے چوہے ہیں۔ اس نے عفان کے ہاتھ چومتی ماں کی طرف دیکھا۔ ماما وہ کتنی خوب صورت تھیں۔ میڈم نیلوفر تو ان کے ساتھ کھڑی ان کی ملازمہ لگتی تھی۔ پھر

بھی عبدالرحمٰن ملک نے میڈم نیلوفر سے شادی کرلی تھی۔ میڈم نیلوفر۔۔ اس نے تنفر سے ہونٹ سکیڑے عفان' ماما کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اور مسکرا رہا تھا۔

ماما کو عفان اور عذرا سے بے حد محبت تھی۔۔ وہ عفان اور عذرا کے سب کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔۔ وہ ذرا ادھر ادھر ہوتیں تو وہ انہیں ڈھونڈنے لگتے تھے۔ وہ کہیں نہیں جاتی تھیں۔ کسی تقریب کسی فنکشن میں بھی نہیں' جب وہ چھوٹے تھے' تو وہ انہیں بھی ساتھ لے جاتی تھیں' لیکن جب وہ بڑے ہوئے تو انہوں نے آہستہ آہستہ باہر جانا چھوڑ دیا تھا۔ عفان سولہ سال کا ہوا تو اسے دورے پڑنے لگے تھے۔ وہ چیختا' چلاتا' کپڑے پھاڑ دیتا اور کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ چار سال سے ہشام یہ دیکھ رہا تھا اور ان چار سالوں میں اس نے ماما کو پوری نیند سوتے نہیں دیکھا تھا۔ عفان کی وجہ سے اسے ماما کی پوری توجہ نہیں ملی تھی' لیکن اسے ماما سے کبھی کوئی شکوہ یا گلہ نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا' عفان کو ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ جب وہ چھوٹا سا تھا' تب سے یہ بات جانتا تھا اور جب وہ پانچ سال کا تھا اور عجو اس دنیا میں آئی تھی تو اس نے جیسے خود ہی فرض کرلیا تھا کہ اب وہ بڑا ہو گیا ہے اور اسے ماما کو تنگ نہیں کرنا۔ اس کا زیادہ وقت اپنی پھپھو کے گھر گزرتا تھا۔ جو سڑک کراس کرکے تھا۔ وہ دو سال کا تھا۔ تقریباً" جب اس کی پھپھو کا انتقال ہوا تھا' لیکن وہ پھپھو کے گھر اس لیے جاتا تھا کہ وہاں امل تھی' اس سے صرف وہی دن چھوٹی اور امل کی دادی اس سے بہت پیار کرتی تھیں۔

امل کا خیال آتے ہی وہ چونکا۔ وہ اس سے ناراض ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ جب ڈیڈی کی تیسری بیوی یہاں موجود ہوں وہ ادھر آئے۔ اسے اس کا وہ ٹیچر بھائی بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔ سات ماہ پہلے ڈیڈی نے میڈم نیلوفر سے شادی کی تھی۔ نیلوفر ایک ماڈل گرل تھی۔ زیادہ سے زیادہ اس کی عمر پچیس سال تھی اور اس نے پچاس پچپن سال کے عبدالرحمٰن ملک سے

شادی کرلی تھی۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے ماما سے شادی کی تھی۔ پہلی بیوی سے ان کی اولاد نہیں تھی۔ وہ ان کا بے حد لاڈلا تھا۔

سات ماہ پہلے جب ڈیڈی نے اسے اپنی شادی کا بتایا تھا تو وہ ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ تاہم کچھ دیر بعد اس نے انہیں کہا تھا کہ وہ یہ چاہے گا کہ میڈم نیلوفر کو وہ یہاں اس گھر میں نہ رکھیں اور ڈیڈی نے انہیں الگ گھر خرید دیا تھا۔ پھر بھی ان سات ماہ میں آج تیسری بار وہ یہاں آئی تھیں اور مزے سے سارے گھر میں وندناتی پھر رہی تھیں۔ ساتھ میں ان کی ماں اور بھائی بھی تھا۔ بھائی جس کی آنکھوں سے غلاظت ٹپکتی تھی اور جس نے پہلی بار اہل کو اس طرح دیکھا تھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جائے گا اور اس لیے تو اس نے اہل کو منع کر دیا تھا کہ وہ نہ آئے اور اہل......

"احمق..... پاگل....." اس نے دل ہی دل میں کہا۔ غلطی بھی خود کی ہے اور اب ناراض ہو کر بھی خود ہی بیٹھ جائے گی۔ تین دن سے محترمہ یہاں گیسٹ روم میں براجمان تھیں اور وہ تین دن سے ڈیڈی کو کال کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ڈیڈی فون اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔ ان سات ماہ میں انہوں نے بمشکل دو ماہ ہی یہاں گزارے ہو گے یا اس سے بھی کم وہ ہر ماہ دو تین دن کے لیے چکر لگاتے تھے اور یہ دو تین دن ماما کے ساتھ مسلسل جھگڑا..... وہ چاہتے تھے کہ عفان کو وہ کسی ادارے میں بھجوا دیں کیونکہ جب اسے دورا پڑتا تھا تو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ جب وہ آتے تو اسے زنجیروں سے باندھ دیتے تھے اور ہشام نے ان دنوں میں ماما کی بے چینی دیکھی تھی۔ وہ جیسے عفان کے کمرے کی چوکیداری کرتی تھیں۔ راتوں کو جاگ جاگ کر ان کی صحت خراب ہو رہی تھی اور اب یہ میڈم نیلوفر ایک عذاب کی طرح ان کے سر پر مسلط ہو گئی تھیں اور وہ جو اہل کی طرف جانے کا سوچ رہا تھا' ایک بار پھر باہر نکل کر عبدالرحمٰن ملک کو فون کرنے لگا اور اس بار انہوں نے ریسیو کر ہی لیا۔

"ڈیڈی....." وہ روہانسا ہو رہا تھا۔ "میں نے آپ سے ایک ہی ریکویسٹ کی تھی کہ میڈم نیلوفر کو الگ گھر میں رکھیں۔ وہ آپ کی بیوی ہیں' ہم نے قبول کیا' لیکن......"

مائی سن کیا ہوا؟ انہوں نے بات کاٹی تھی۔

"وہ پھر تین دن سے یہاں براجمان ہیں۔ اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ..... میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ یہاں سے نہ گئیں تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا ڈیڈی....."

"میری جان ٹینس مت ہو۔ ابھی فون کرتا ہوں نیلو کو..... منع کیا تھا میں نے اسے..... پھر بھی..... اور تم اسے میڈم مت کہا کرو یار..... ماں ہے وہ تمہاری....."

"مائیں ایسی نہیں ہوتیں ڈیڈی..... میری ماما ہی میری ماں ہیں۔" اس کا دل بے حد برا ہوا' اب وہ ڈیڈی کو کیا بتاتا کہ اس کی ماں اور بھائی بھی اسے میڈم ہی کہتے ہیں اور وہ نیلوفر اس نے تو پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔ اس لیے ہرگز اسے ممی یا امی کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ابھی ینگ ہے اور اسے ممی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔

"او کے جانو..... میں فون کرتا ہوں اسے....."

"آپ کب آئیں گے ڈیڈ' مجھے نہیں لگتا کہ وہ آپ کے فون پر چلی جائیں گی۔"

"تین چار دن لگ جائیں گے۔ یہاں کچھ زمینوں کے مسائل ہیں۔"

"ڈیڈی آپ پہلے نہیں آسکتے۔" وہ بہت ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

"او کے میری جان! کوشش کروں گا۔" وہ اس کی بات تو ٹال ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ ان کا اکلوتا ہوش مند بیٹا تھا۔ ذہین' خوب صورت اور بہت ہی فرماں بردار..... ان کی ڈھیروں ڈھیر جائیداد کا وارث اور فون بند کر کے ہشام نے عفان کا ہاتھ تھامے کمرے سے باہر آتی ماما کو دیکھا تھا۔ ان کے پیچھے ہی عجو بھی تھی' سرہلاتی مسکراتی ہوئی۔

"شامی....." ماما نے اسے آواز دی تھی۔

"بیٹا کہیں جا رہے ہو کیا؟"

"جی۔۔۔ امل کی طرف جا رہا تھا۔"

"بیٹا یہ عفو ضد کر رہا ہے باہر جانے کی' لان میں لے جاؤ یا باہر پارک تک۔۔۔" ان کے لہجے میں التجا تھی' بے بسی تھی اور تھکن۔۔۔

"ماما اگر یہ وہاں۔۔۔ اس نے تنگ کیا تو۔۔۔"

"بس ایک چکر لگوا کر لے آؤ شاہ۔ میرے سر میں بہت درد ہے' چکر آ رہے ہیں۔ اگر میں اس کے ساتھ گئی تو کہیں یہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ نہ جائے پہلے کی طرح۔۔۔"

اس نے عفان کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے ماما سے بہت پیار تھا۔ ان کی بے بسی اور تھکن گھائل کرتی اسے ماما سے پیار ہی نہیں' ان سے عقیدت تھی۔ امل کی دادی کہتی تھیں "جس طرح ان بچوں کے لیے وہ جان مار رہی ہے' کیا کوئی ماں ایسا کر سکتی ہے تمہاری ماں نے جنت کمائی ہے ہشام۔۔۔"

"آپ فریش ہو جائیں' باتھ لے کر کپڑے چینج (تبدیل) کریں تو طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔ میں عفان کو گھما لاتا ہوں۔" اور امل۔۔۔ چلو امل کو کل منا لوں گا۔ اس نے سوچا اور عفان کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ ماما لاؤنج میں کھڑی تھیں اور عجو نے ان کا دوپٹا تھام رکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"احسن۔۔۔" ثمرین نے بیڈ کے دائیں طرف دیکھا۔

"میرا بیٹا کہاں ہے وہ۔۔۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ضرور دیکھ لینا۔" احسن نے اس کے گال تھپتھپائے۔

"لیکن کب احسن۔۔۔ تین دن ہو گئے ہیں' میں اسے کب دیکھوں گی۔ آخر انہوں نے اسے یہاں کیوں نہیں رکھا۔ میرے کمرے میں۔۔۔ یہ کاٹ۔۔۔" اس نے کاٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ابھی انکیوبیٹر میں ہے۔"

"تو مجھے وہاں لے چلو' میں جھانک کر شیشے میں سے دیکھ لوں گی۔ بہت بے چین ہو رہی ہوں اسے دیکھنے کو۔ کتنی راتیں میں یہ سوچ کر جاگتی رہی کہ ہماری اولاد کیسی ہو گی۔ ہم دونوں کی اولاد۔۔۔"

"نہیں تمہیں ابھی ڈاکٹر صالحہ نے اٹھنے سے منع کیا ہے۔ تمہیں پتا ہے نا تمہاری کتنی حالت خراب ہو گئی تھی۔ ایمرجنسی میں سیزیرین کرنا پڑا۔"

"لیکن۔۔۔" اس نے ہتھیلیاں بیڈ کے کنارے پر ٹکائیں اور اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں پلیز۔۔۔ لیٹی رہو ثمرین۔۔۔" ڈاکٹر احسن نے گھبرا کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر پھر تکیے پر رکھ دیا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے احسن۔۔۔ کیا وہ تمہارے جیسا ہے یا میرے جیسا۔" اس کی آنکھوں میں اشتیاق نظر آیا۔۔۔ "یا پھر ہم دونوں سے ملتا جلتا۔۔۔" وہ مسکرائی۔

"بقول ڈاکٹر صالحہ خوب صورت ترین کپل کا خوب صورت ترین بے بی ہو گا وہ۔۔۔"

"تمہیں تو بچے کی خواہش نہیں تھی ثمرین۔ یاد ہے نا تم نے کتنی کوشش کی تھی کہ وہ اس دنیا میں نہ آئے۔ مجھ سے چوری چوری ابارشن کے لیے دوائیں کھاتی رہیں۔" ڈاکٹر احسن کی آنکھوں میں ہلکا سا شکوہ نظر آیا۔

"سوری احسن۔۔۔ تب میں تمہارے سنگ زندگی کو انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ میں اتنی جلدی ماں نہیں بننا چاہتی تھی' لیکن پھر جب اس نے پہلی بار میرے اندر حرکت کی تو۔۔۔ تب سے میں سوچنے لگی کہ وہ کیسا ہو گا اور تب سے میں اس کے آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ پلیز لے چلو نا۔" احسن شعوری کوشش سے مسکرایا اور اس نے اس کا بازو تھپتھپایا۔

"جہاں اتنا انتظار کیا ہے میری جان وہاں کچھ اور کر لو۔" احسن نے نظریں جھکا لیں۔ وہ چونکی۔ احسن کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ کوئی دکھ ہلکورے لیتا تھا۔

"تو کیا وہ نہیں ہے۔" اس کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔

"تم کچھ چھپا رہے ہو احسن۔۔۔ وہ زندہ تو ہے نا۔"

اس کی آنکھوں میں وحشت سی نظر آئی تھی۔ وہ مضطرب سی ہو کر اٹھ بیٹھی تھی اور بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمرین وہ زندہ ہے۔" ڈاکٹر احسن نے نظریں چرائیں۔

"پھر تم خوش کیوں نہیں ہو۔"

"خوش تو ہوں۔" احسن نے پھر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"تم خوش نہیں ہو احسن' اس طرح خوش نہیں ہو' جس طرح ایک بیٹے کا باپ بن کر کوئی خوش ہوتا ہے۔" تمرین کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"یار میں تھک گیا ہوں۔ صبح سے اب تک مسلسل تھیٹر میں تھا۔

اور ہمارا بچہ زندہ ہے' صحیح سلامت ہے' تم خواہ خواہ کیوں آنسو بہا رہی ہو۔" احسن نے جھک کر اس کے رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے پونچھا۔

"یونہی وہم آگیا تھا احسن... اللہ اسے لمبی زندگی دے اور یہ ممی اور امی ابھی تک کیوں نہیں آئیں۔ تم نے فون کیا تھا نا؟"

"میں نے فون کروا دیا تھا تمرین... بین کے کالج میں کوئی فنکشن تھا۔ شاید آج یا کل آجائیں گی' ممی' امی پریشان ہیں' لیکن میں نے انہیں تسلی دے دی تھی کہ سسٹر سارا وقت تمہارے پاس ہے۔"

"اچھا۔" تمرین خاموش ہو گئی۔ تب ہی ایک نرس ناک کر کے اندر آئی۔

"انجکشن لگنا ہے سر۔"

"اوکے آپ لگائیں۔" احسن نے نرس سے کہا اور پھر تمرین کی طرف دیکھا۔

"تمرین میں کچھ دیر کے لیے گھر جا رہا ہوں' بچے کا کچھ سامان لینے جلدی آجاؤں گا۔" تمرین نے سر ہلایا تو احسن تیزی سے باہر نکلے تو انہوں نے جاتے جاتے سنا' تمرین نرس سے پوچھ رہی تھی۔

"میرا بچہ کہاں ہے۔" "نرسری میں ہے میم!"

"اسے میرے پاس کب لائیں گی۔" تمرین کی آواز کی بے چینی باہر کھڑے احسن نے شدت سے محسوس کی۔

"جب ڈاکٹر نے اجازت دی۔" نرس کے مختصر سے جواب سے مطمئن ہو کر ڈاکٹر احسن آگے بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

"نہیں...." اس کے لبوں سے چیخ نکلی تھی۔

"نہیں... یہ ہمارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔" اب اس کا لہجہ قطعیت لیے ہوئے تھا۔

"میم یہ آپ کا ہی بیٹا ہے۔" سسٹر نے گلابی کمبل میں لپٹے بچے کی کلائی اسے دکھائی۔ "یہ دیکھیں ٹیگ...." کلائی میں بندھے ٹیگ پر ڈاکٹر احسن اور تمرین احسن لکھا ہوا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سسٹر ریٹا کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"نہیں...." وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے بدل لیا ہے کسی سے میرا بچہ...."

"نہیں میم... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ خود ڈاکٹر احسن سارا وقت ڈاکٹر صالحہ کے ساتھ رہے اور آپریشن میں انہیں اسسٹ کیا۔"

"نہیں...." وہ ہذیانی انداز میں ہنسی اور انگلی سے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بچہ احسن اور تمرین احسن کا کیسے ہو سکتا ہے۔ ادھر دیکھو میری طرف...." وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا تمہیں مجھ میں کوئی کمی نظر آتی ہے سسٹر.... میرا چہرہ' آنکھیں' کان' ناک' بال' قد' رنگ.... غور سے دیکھو اللہ نے مجھے پرفیکٹ بنایا ہے۔" سسٹر ریٹا کا چہرہ لمحہ بھر کو زرد ہوا۔

"انسان تو اللہ کی مخلوق ہے میم...." اس نے انگلیوں سے سینے پر صلیب بنائی۔ "پرفیکٹ (مکمل) تو صرف اس کی ذات ہے۔"

لیکن ثمرین نے جیسے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ وہ مسلسل ایک ہی جملہ دہراتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

"احسن اور ثمرین احسن کا بیٹا اور......"

"سسٹر ریٹا......" ڈاکٹر احسن نے جو لمحہ پہلے اندر آئے تھے۔ سسٹر ریٹا کی طرف دیکھا اور پھر گلابی کمبل میں لپٹے ہوئے بچے کو اور جھک کر بچے کے چہرے سے کمبل ہٹایا اور اس کی پیشانی پر بوسا دیا۔

"آپ جائیں مس ریٹا......"

"میم بہت ضد کر رہی تھیں بچہ دیکھنے کو......" سسٹر ریٹا کا انداز معذرت خوانہ تھا۔

"پلیز......" انہوں نے سسٹر ریٹا کو بچہ لے جانے کا اشارہ کیا اور ثمرین کی طرف دیکھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم نے...... احسن بچے کو پیار کیا اس بچے کو...... نہیں یہ ہمارا بچہ نہیں ہے۔ نہیں ہو سکتا احسن......" اس نے نفی میں سر ہلایا اور لڑکھڑائی...... احسن نے یک دم آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور وہ احسن کے بازوؤں میں جھول گئی۔ اس کے ہونٹ ہولے ہولے ہل رہے تھے، لیکن آنکھیں بند تھیں۔ احسن نے آہستگی سے اسے بیڈ پر لٹایا اور نبض چیک کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

"اے سنو......" وہ اپنے ریڈ اور بلیک کلر کے فل اونی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چیونگم چباتی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے سر پر بھی ریڈ اور بلیک ہی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جس نے اس کے کانوں تک کو ڈھک رکھا تھا اور اسے یوں گرم کپڑوں میں لپٹا دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس وقت یخ سردی میں بغیر دستانوں اور گرم کوٹ کے بیٹھا ہے۔ اس کے جسم پر صرف ایک فل آستین کا سوئیٹر تھا، جو اس شدید سردی کے لیے ناکافی تھا۔ اس نے سوچا آخر اس شدید سردی میں مجھے یہاں باہر پارک میں آکر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر آ بھی گیا تھا تو کم از کم سر پر گرم مفلر ہی لپیٹ لیتا۔ یعنی ثابت ہوا کہ میں اس صدی کا احمق اعظم ہوں۔

"تم پاکستانی ہو......" لڑکی کی نظریں ہنوز اس پر تھیں۔

"ہاں......" اس نے سوچا اس کا وہ سیاہ اونی مفلر کتنا گرم ہے، شاید اس لیے کہ وہ ماما نے بطور خاص اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے بنا تھا اور اس میں شاید ان کے خلوص اور محبت کی گرمی بھی شامل ہے اور کیا تھا کہ میں باہر نکلتے نکلتے وہ مفلر ہی اٹھا لیتا، وہ پچھتا رہا تھا۔ لیکن لڑکوں کے شور و غل نے اسے اس حد تک پریشان کر دیا تھا کہ وہ گھبرا کر دروازہ بند کرتا ہوا باہر آگیا تھا۔ آج نیو ایئر نائٹ تھی اور لڑکے شراب پی کر غل مچا رہے تھے۔ ناچ رہے تھے۔ ڈانس کر رہے تھے۔ قہقہے، شور، ہنگامہ...... اس ہوسٹل میں سوائے سعد اور اس کے سب ہی غیر مسلم تھے۔ رات بھر کروٹیں بدلنے کے بعد صبح ہوتے ہی وہ بلا ارادہ بغیر ناشتے کے نکل آیا تھا اور اب یہاں پارک میں بیٹھا تھا...... اور چند لڑکوں اور لڑکیوں کو جاگنگ کرتے دیکھ رہا تھا۔

"میں بھی پاکستانی ہوں۔" لڑکی کی سبزی مائل آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور چہرے پر معصومیت......

"لاہور......" اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میرا تعلق لاہور سے ہے...... میرے بابا یہاں پڑھاتے ہیں۔ یہاں بولٹن میں...... اور تم......"

"میں برمنگھم سے آیا ہوں۔"

"اچھا...... لیکن تم نے کہا تھا تم پاکستانی ہو۔"

"ہاں میرے بابا ہمیشہ کہتے ہیں کہ ہم پاکستانی ہیں اور پاکستان ہمارا فخر ہے۔"

"اچھا......" لڑکی نے سر ہلایا۔

"تو تم پاکستان میں پیدا ہوئے تھے، یہاں کب سے ہو برمنگھم میں؟" اسے لڑکی کی انوسٹی گیشن کھلی تھی۔ تاہم وہ بچپن سے ہی بہت سنجیدہ اور مہذب تھا، سو اس نے ناگواری کو چھپاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"پتا نہیں...... میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے، خود کو یہاں ہی دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے میں

یہاں ہی پیدا ہوا تھا۔ میرے بابا شاید میری پیدائش سے پہلے ہی یہاں آگئے تھے۔" اس نے پھر ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑا۔

"اوہ... "لڑکی نے ہونٹ سکیڑے۔

"پھر تم میرے احساسات بھلا کیا سمجھو گے۔ ایک ایسی لڑکی کے احساسات جسے اپنے وطن سے آئے صرف پچیس دن ہوئے ہیں اور جس کا دل چاہ رہا ہو کہ وہ اڑ کر اپنے پیارے پاکستان میں اپنی دادو کے پاس پہنچ جائے اور ان کی گود میں سر رکھ کر کہے... ٹھیک ہے دادو مجھے نہیں پڑھنا وڑھنا... آپ میری شادی کروائیں... بھلے اس مو چھل سفیر سے ہی سہی..."

سورج ایک دم ہی بادلوں کی اوٹ سے نمودار ہوا تھا... اور اس کی کرنیں پارک کے درمیان میں موجود فوارے کے پانی پر پڑ رہی تھیں۔ آج کتنے دنوں کے بعد سورج دکھائی دیا تھا۔ موحد نے جیسے دور سے ہی اس کی حدت کو محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف دلچسپی سے دیکھا۔ ایک دم ہی اس کی ساری بے زاریت اور بوریت دور ہو گئی تھی۔

"آپ سمجھانے کی کوشش کریں تو شاید سمجھ سکوں۔"

"نہیں... آپ نہیں سمجھ سکتے۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"آپ یہاں پیدا ہوئے۔ ٹھنڈے یخ برفیلے موسموں میں آپ کو کیا پتا گرم تپتی دوپہروں میں جب بھاری پردے گرا کر اندھیرا کر کے اور دوپٹوں کو بار بار پانی میں بھگو کر اس حدت کو برداشت کرنے کا کیا مزا ہے اور جب ساون کی بارشیں صحن کو جل تھل کرتی ہیں اور کچن سے پکوڑے اور پوڑے تلنے کی خوشبو آتی ہے تو..." اس نے آنکھیں میچ کر جیسے مزا سا لیا اور موحد جو پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا' مسکرایا۔

"آپ صحیح کہتی ہیں مس..."

"امل..." وہ مسکرائی۔

"میں غلط تو خیر کبھی نہیں کہتی' لیکن مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ نے میرے ملک کے چاروں موسموں کا مزا نہیں لیا۔ کیا آپ کبھی پاکستان نہیں گئے؟" اس نے دایاں ہاتھ کوٹ کی جیب سے نکالا اور اس کے سامنے کر کے بند مٹھی کھولی۔

"لیں نا..." موحد نے ایک نظر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر اس پر پڑی چیو نگم اٹھالی۔

"تھینک یو..."

"ویلکم..." اس نے ہاتھ پھر جیب میں ڈال لیا۔

"تو آپ پاکستان نہیں گئے نا کبھی..." اس نے خود ہی جواب دے دیا۔

"ہاں..." موحد نے سر ہلایا۔

"کبھی نہیں..."

"کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ خود کو پاکستانی کہتے ہیں اور آپ نے آج تک پاکستان نہیں دیکھا۔ ویری سیڈ..." اس نے افسوس سے سر ہلایا۔

"اور کبھی آپ کا دل بھی نہیں چاہا..."

"نہیں..." موحد نے نفی میں سر ہلا کر چیو نگم کا ریپر الگ کیا۔

"خیریت ہے' کبھی آپ کا جی ہی نہیں چاہا اپنا ملک دیکھنے کا۔"

ضرور آپ کی ماما برٹش ہوں گی۔ ہمارے ہاں کے اکثر پاکستانی یہاں گوری چمڑی پر پھسل جاتے ہیں۔ کمال ہے مجھے پہلے ہی خیال کیوں نہیں آیا۔" اس نے جیسے خود کو سرزنش کی۔ "آپ کے بال' آپ کی آنکھیں' آپ کی رنگت' یعنی آپ کے یہ بال یہ آنکھوں کی رنگت یقیناً" آپ کو اپنی ماما سے ورثے میں ملی ہوگی۔" وہ اس کے اندازے پر کھل کر مسکرایا' یہ لڑکی جو پہلی ہی ملاقات میں اتنی بے تکلف ہو گئی تھی' اسے بے حد دلچسپ لگی اور کمال کی بات یہ بھی تھی کہ اسے اس کی بے تکلفی بری بھی نہیں لگ رہی تھی۔ حالانکہ وہ خاصا ریزرو قسم کا لڑکا تھا اور یوں چپک جانے والی لڑکیوں کو تو وہ سخت ناپسند کرتا تھا۔

"تو یقیناً" آپ کی مدر نے آپ کے پاپا کو اور آپ کو کبھی پاکستان جانے نہیں دیا ہوگا۔ صحیح کہہ رہی ہوں نا

میں۔" اس کی سوالیہ نظریں موحد کی طرف اٹھی تھیں۔

"اور اگر میں کہوں کہ آپ کا اندازہ غلط ہے تو....."
وہ کھل کر مسکرایا۔

"ہرگز نہیں' آپ کی شکل و صورت خود ہی بتا رہی ہے کہ آپ مکسڈ بلڈ ہیں۔"

"میری ماما پاکستانی ہیں۔ خالص پاکستانی اور پاپا بھی....."

"رئیلی..." (سچ میں....) اس کا منہ حیرت سے کھلا اور کچھ دیر کھلا رہا۔

"امیزنگ....." (حیرت انگیز) اس نے پھر موحد کو غور سے دیکھا۔

"پہلی بار ہے کہ میرا اندازہ غلط ہوا۔"

"ہمیشہ ہر اندازہ صحیح نہیں ہوتا مس اہل....." وہ سنجیدہ ہوا۔

"آپ صحیح کہتے ہیں۔" اس نے فوراً" اپنی غلطی تسلیم کرلی۔

"میں ہمیشہ آپ کی طرح صحیح نہیں کہتا' کبھی کبھی غلط بھی ہو جاتا ہوں۔"

"وہ تو میں بھی....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور پاکٹ سے ایک اور چیونگم نکال کر اس کا ریپر پھاڑا اور چیونگم منہ میں رکھ کر ریپر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

"اگر میں اپنے ملک میں ہوتی تو پتا ہے کیا کرتی۔" اس کے پاس بینچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے بتایا۔ "میں یہاں ہی بیٹھے بیٹھے ریپر اچھال کر پھینک دیتی۔ حالانکہ وہاں بھی پارکوں میں جگہ جگہ بن پڑے ہوتے ہیں۔" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ ایسا کیوں کرتیں پبلک پلیس کو صاف رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔"

"ہاں....." وہ ہنسی۔ "یوں ہی دیکھا دیکھی..... حالانکہ میں جانتی ہوں' یہ غلط ہے' ہم میں سے سب جانتے ہیں یہ غلط ہے' پھر بھی....." موحد نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"ہر بندے کو انفرادی طور پر اپنا عمل صحیح رکھنا چاہیے..... ہولے ہولے معاشرہ خود ہی سنور جائے گا۔ تم پاکستانی تب ہی تو ابھی تک ترقی نہیں کرسکے۔"

"تم نہیں..... ہم پاکستانی....." اس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی۔ "اور میں پاکستان کے متعلق کوئی برائی نہیں سن سکتی۔ نہ پاکستانیوں کے متعلق خواہ وہ کتنے بھی برے کیوں نہ ہوں۔" موحد کی آنکھوں میں ہلکی سی حیرت نظر آئی۔ "خیر تم نہیں سمجھ سکتے' اس لیے کہ تم کبھی پاکستان نہیں گئے' ویسے....." وہ پوری کی پوری اس کی طرف مڑ گئی۔ "تمہارے ماما' پاپا یقیناً" بہت خوب صورت ہوں گے۔"

"والدین بچوں کے لیے ہمیشہ خوب صورت ہوتے ہیں۔ چاہے وہ خوب صورت نہ بھی ہوں۔ میرے لیے بھی میرے ماما' پاپا دنیا کے سب سے خوب صورت والدین ہیں۔"

"تم اکلوتے ہو۔" اب کے اس نے پھر اندازہ لگایا تو موحد ہنس دیا۔

"تمہارا اندازہ ٹھیک ہے۔"

"میں بھی اکلوتی ہوں اور یہ اکلوتا ہونا بڑا عذاب ہوتا ہے۔ آدمی خود کو کبھی کبھی بالکل تنہا محسوس کرتا ہے۔"

"ہوں....."

"لیکن خیر میں اتنی بھی اکلوتی نہیں ہوں۔ وہاں پاکستان میں میرے کزن وغیرہ ہیں' لیکن میری سب سے زیادہ دوستی شامی سے ہے اور وہ بھی مجھے بہت چاہتا ہے اور بہت خیال رکھتا ہے میرا..... لیکن یہاں آتے ہوئے میری اس سے لڑائی ہوگئی تھی اور میں اسے بتائے اور ملے بغیر ہی آگئی۔ آج پچیس دن ہوگئے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے اور ان پچیس دنوں میں اس نے چالیس دفعہ مجھے فون کیا ہے' لیکن میں نے بھی اٹینڈ نہیں کیا۔" وہ مسکرا رہی تھی اور موحد اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ویسے اپنی ماما پر گئے ہو یا پاپا پر....." اس نے یک دم ہی ایک غیر متعلق بات کردی تھی۔

"پتا نہیں....." موحد چونکا۔ "میں نے کبھی غور

نہیں کیا۔ ویسے تم ایک لمحہ زمین کی بات کر رہی ہوتی ہو تو دوسرے لمحے آسمان کی۔ اب تمہارے کزن کی باتوں میں میرا کیا ذکر۔۔۔"

"شامی بھی یہ ہی کہتا ہے۔" اس نے چیونگم کا غبارہ بنایا۔ "دراصل میرے دماغ میں بیک وقت بہت سی باتیں چل رہی ہوتی ہیں۔ یہ بات دراصل میں تم سے پہلے پوچھنا چاہتی تھی۔ بیچ میں اور ذکر چل پڑا تو۔۔۔ خیر تم کافی سے زیادہ خوب صورت ہو۔ میں نے بہت کم لڑکوں کو اتنا خوب صورت دیکھا ہے۔" وہ ذرا سا جھینپ گیا۔ لڑکیاں اکثر بے باک انداز میں اس کی تعریف کرتی تھیں تو اسے انتہائی ناگوار گزرتا تھا، لیکن اس وقت اس اجنبی لڑکی کی بات اسے ناگوار نہیں لگی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی آنکھوں میں بے باکی نہیں تھی۔ حیا تھی۔ چہرے پر سادگی اور معصومیت تھی۔

"یہ بات میں تمہارے لیے بھی کہہ سکتا ہوں اور یہ بھی کہ تمہارے پاپا نے بھی کیا کسی گوری میم سے شادی کی ہے۔" اس نے اس کی سبز مائل آنکھوں کو دیکھا۔

"ہاہا۔۔۔" وہ زور سے ہنسی۔ "میرے پاپا اور گوری سے شادی۔۔۔ ارے وہ تو کسی پاکستانی سے بھی شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔"

"کیا مطلب۔۔۔" موحد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "تمہارے پاپا نے شادی نہیں کی اور تم۔۔۔" اس نے اس کی طرف دیکھا اور پھر جیسے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ ہنستے ہنستے وہ یک دم دوہری ہو گئی۔ موحد حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اوہ ہو۔۔۔ تم کیا سمجھ رہے تھے کہ میرے پاپا بھی تمہارے ان گورے گوریوں کی طرح۔۔۔ مائی گاڈ۔۔۔" اس نے اپنے رخسار پر ہاتھ مارا اور ہنسنے سے نم ہو جانے والی آنکھوں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھا۔

"میرا مطلب تھا بے وقوف میرے پاپا دوسری شادی کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ میری ماما اصل میں جب میں دو سال کی تھی تو فوت ہو گئی تھیں اور پھر پاپا نے شادی نہیں کی۔ حالانکہ دادی تو اب بھی چاہتی ہیں کہ پاپا شادی کر لیں، بھلے کسی گوری سے ہی سہی، لیکن پاپا کہتے ہیں۔ وہ عشق میں وحدانیت کے قائل ہیں اور یہ کہ نہ ماما سے پہلے کوئی تھا، نہ بعد میں۔۔۔" اس نے اب کے شہادت کی انگلی کی پشت سے باقی رہ جانے والی نمی پونچھی۔

"سوری۔۔۔" موحد کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اس کے علاوہ اور کیا کہے۔

"میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ کبھی ماما تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو جائیں اور میں دیکھوں کہ وہ کیسی تھیں اور کیسے لوگ ہوتے ہیں وہ جن سے ایسے عشق کیا جاتا ہے، جیسے پاپا نے ماما سے کیا۔۔۔ ان کے جانے کے بعد بھی۔۔۔ تصویروں سے تو کچھ پتا نہیں چلتا نا۔۔۔ میں تو یہ دیکھنا چاہتی ہوں وہ کیسے بات کرتی تھیں۔ کیسے چلتی تھیں اور کیسے ہنستی تھیں۔" اس کی سبز آنکھوں میں اداسی سی بکھر گئی۔ وہ آنکھیں جو کچھ دیر پہلے ہنس رہی تھیں، اب اداس تھیں اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر شاید بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ موحد کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔۔۔ ماں کے بغیر زندگی کتنی ویران اور اداس ہوتی ہے بھلا اس سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔

"ہاں تو تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہاری ماما گوری تھیں یا۔۔۔" اس نے اس کا دھیان بٹایا۔

"میری ماما۔۔۔" اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ "ایک دم پاکستانی تھیں، خالص پاکستانی، تمہاری ماما کی طرح۔۔۔"

"لیکن تمہاری آنکھیں، تمہاری رنگت تو کچھ اور کہہ رہی ہے۔" اس نے اسی کی بات لوٹا دی تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"دراصل میری دادی کشمیری ہیں۔ شملہ کی رہنے والی، میرے دادا چھٹیاں گزارنے شملہ گئے تھے تو واپسی پر دادی ان کے ساتھ تھیں اور میری آنکھیں اپنی دادی کی طرح ہیں سبز۔۔۔ سبزی اور رنگت بھی۔۔۔"

"اچھا..." موحد کے پاس جیسے بات کرنے کے لیے کوئی موضوع نہ رہا' لیکن اس لڑکی کے پاس تو جیسے ہزاروں موضوع تھے۔

"ویسے تم یہاں کیا کرتے ہو۔"

"بولٹن یونی ورسٹی سے میکنیکل انجینئرنگ کر رہا ہوں اور یہاں بولٹن ہوسٹل میں رہتا ہوں۔"

"اور تمہارے والدین برمنگھم میں ہیں۔ پھر تم چھٹیوں میں گھر کیوں نہیں گئے۔"

"میرا خیال تھا کہ ہوسٹل میں رہ کر پڑھوں گا۔ لیکن رات اتنا ہنگامہ تھا وہاں' جیری اور جان شراب پی کر کتوں کی طرح لڑ رہے تھے۔" وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔ "میں صبح صبح ہی یہاں پارک میں آگیا تھا اور پرسوں یا کل میں برمنگھم چلا جاؤں گا اور باقی کی چھٹیاں وہاں ہی گزاروں گا۔"

"کل کیوں' آج کیوں نہیں....." اس نے پوچھا۔

"اس لیے کہ آج وہاں گھر پر کوئی نہیں ہوگا۔ میرے بابا کسی کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے ہیں اور کل کسی وقت واپس آجائیں گے۔"

"اور تمہاری ماما..... کیا وہ بھی گھر پر نہیں ہیں۔"

"نہیں....." اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ یک دم ہی بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"تمہاری ماما کبھی یہاں آئیں تو مجھے ضرور ملوانا' میں ادھر رہتی ہوں۔" اس نے بائیں طرف اشارہ کیا۔

"دراصل مجھے "امائیں" بہت اچھی لگتی ہیں' لیکن وہ جو "امائیں" نظر آتی ہوں' میڈم نیلوفر نہیں۔ تم سمجھتے ہو نا۔ اماؤں کو کیسا ہونا چاہیے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے جیسے تصور میں دیکھنے کی کوشش کی۔

"ہاں وہ ہوتی ہے جس کا وجود سراپا شفقت و محبت ہو۔ اس کی آنکھوں میں صرف محبت ہو۔ شفقت جسے دیکھ کر لگے جیسے کوئی مہربان وجود کوئی شجر سایہ دار اور جس کے بغیر گھر ویران اور اداس لگے۔" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"دراصل یہ بہت مشکل ہے ماں کی شکل کو لفظوں میں مجسم کرنا۔ کیا تمہاری ماما بھی ایسی ہی ہیں کہ انہیں دیکھ کر لگے کہ وہ ماں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتیں۔" وہ بولا نہیں' لیکن اس نے سر ہلا دیا۔

"تو تم مجھے کسی روز اپنی ماما سے ملوانا..... تم چھٹیوں میں برمنگھم جا رہے ہو نا..... تو ہم بھی کبھی کبھی برمنگھم جاتے ہیں۔ وہاں میرے بابا کے فرینڈ رہتے ہیں' تو اگر ان چھٹیوں میں ہم وہاں گئے تو میں ضرور تمہاری ماما سے ملنے آؤں گی۔ تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔" اس کے لہجے میں اشتیاق تھا اور آنکھوں میں کوئی حسرت کرلائی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی سبز آنکھوں میں اداسی کا غبار سا پھیل گیا تھا یا موحد کو لگا تھا۔

"میری ماما گھر پر نہیں ہوتیں۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں۔" موحد نے نظریں جھکالی تھیں۔ شاید وہ اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ "پچھلے سات سال سے وہ کومے میں ہیں۔ ایک حادثے کے بعد وہ کومے میں چلی گئی تھیں اور....." اس نے ایک گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بکھرا اداسی کا غبار جیسے اس کے پورے وجود پر چھا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی' بالکل خاموش جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے کوئی لفظ نہ بچا ہو۔ پھر اس نے سر اٹھا کر موحد کی طرف دیکھا جو اپنے جوتے کی ٹو زمین پر ہولے ہولے مار رہا تھا اور اس کی نظریں اپنے جوتے پر ہی تھیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ اس موقع پر کیا کہنا چاہیے۔ شاید لفظ ایسے ہی موقعوں پر بے معنی محسوس ہوتے ہیں' لیکن ہو سکتا ہے کوئی معجزہ ہو جائے اور وہ ٹھیک ہو جائیں' ہو تو سکتا ہے نا معجزہ....." اس نے تائید چاہتی نظروں سے موحد کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہو تو سکتا ہے۔" اس کی آواز بے حد آہستہ تھی' سرگوشی جیسی۔

"میں اور بابا پچھلے سات سال سے اسی معجزے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج' کل' پرسوں' کسی ٹائم۔" وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ پارک میں اب جاگنگ کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی تھی' کچھ بچے کچھ ینگ لڑکے۔

"میں اب چلتا ہوں۔"

"کچھ دیر بیٹھو گے نہیں۔"

"میں جا کر ناشتا کروں گا۔ میں نے رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ پھر سو جاؤں گا۔"

"لیکن وہاں تو..." امل کہنا چاہتی تھی کہ وہاں تو شور تھا۔ پھر کیسے سو پاؤ گے۔

"نہیں میرا خیال ہے وہ سب اب تھک ہار کر سو چکے ہوں گے۔" وہ جیسے جان گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"تم زیادہ بڑے نہیں لگتے' میرا خیال ہے تمہاری عمر یہی اکیس بائیس سال ہوگی۔" امل بھی کھڑی ہو گئی تھی اور اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر اس کے صحیح اندازے پر حیران ہوا۔

"ہاں... میں تقریباً" بائیس سال کا ہوں اور تم مجھے اٹھارہ سال سے زیادہ کی نہیں لگتی۔"

"میں انیس سال کی ہوں۔" وہ مسکرائی۔ "ابھی 25 دسمبر کو میں پورے انیس سال کی ہوئی ہوں اور مجھے اس پر بڑا فخر محسوس ہوتا ہے کہ میں 25 دسمبر کو پیدا ہوئی ہوں۔ جانتے ہو کیوں؟"

"اس روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام..."

"ہوں... ہوں..." اس نے سر ہلایا۔ "تمہارے قائداعظم کی تاریخ پیدائش بھی 25 دسمبر ہے۔" اس نے جیسے فخر کے احساس سے گردن اونچی کی۔

"تم جانتے ہو قائداعظم کو..."

"ہاں شاید... نہیں..." وہ بوکھلایا تو وہ ہنس پڑی۔

"تم تو یہاں ہی پیدا ہوئے ہو نا' تمہیں کیسے پتا ہو سکتا ہے... حالانکہ تم خود کو پاکستانی کہتے ہو۔ قائداعظم پاکستان کے بانی ہیں۔"

"ہاں... تو مجھے پتا ہے یہ تو..." وہ ذرا سا شرمندہ ہوا۔ "بانی پاکستان کا نام محمد علی جناح ہے اور قائداعظم غالباً" انہیں ہی کہا جاتا ہے۔"

"یا اللہ میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی کسی ایسے پاکستانی سے بھی ملوں گی جو قائداعظم کے متعلق بات کرتے ہوئے اتنے تذبذب میں پڑ جائے گا۔" اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر فوراً" اٹھا لیا۔ "مجھے یقین ہے' پھر تو تم علامہ اقبال' محمد علی جوہر' بہادر یار جنگ کسی کو بھی نہیں جانتے ہو گے۔ خیر دو چار ملاقاتوں میں تمہیں سب کے متعلق تفصیل سے بتا دوں گی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم دوبارہ بھی ملیں گے۔"

"ہاں..." اس کی سبز آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔ "میں ہر روز صبح یہاں جاگنگ کے لیے آتی ہوں اور تم بھی آتے ہو تو ملاقات ہو ہی جائے گی۔"

"لیکن میں آج سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔"

"تو اب تو آؤ گے نا۔" وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں..." اس نے کہا اور تیزی سے مڑ گیا۔ چند لمحے وہ وہاں ہی کھڑی اسے دیکھتی رہی' پھر تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔ "ارے سنو... تم نے مجھے اپنا نمبر نہیں دیا اور نہ ہی اپنا نام بتایا ہے۔" وہ رکا۔

"تم نمبر لے کر کیا کرو گی۔" وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

میں نے بتایا تھا نا تمہیں کہ جب میں برمنگھم آئی تو تمہاری ماما سے ملنے آؤں گی۔"

"لیکن ماما تو..."

"ہاں تو کیا ہم ہاسپٹل نہیں جا سکتے انہیں دیکھنے۔" اور موحد کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ اس عجیب و غریب لڑکی سے کیا کہے۔ اس نے خاموشی سے پاکٹ سے بال پین نکالا۔

"میرے پاس فون ہے' تم نمبر بولو۔" اس نے کوٹ کی جیب سے فون نکالا۔ امل نے اس کا نمبر سیف کر لیا۔ "اور تمہارا نام..."

"موحد... موحد عثمان..."

"تمہارا نام بھی تمہاری طرح ہی خوب صورت ہے۔" اس نے پھر ایک بار اس کی تعریف کی تھی۔ موحد نے ایک نظر اسے دیکھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دوبارہ کبھی نہیں ملنے والے' کیونکہ وہ پھر دوبارہ اتنی صبح پارک میں آنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ برمنگھم میں کبھی اسے ڈھونڈ نہیں پائے گی' کیونکہ اس نے جو نمبر اسے لکھوایا تھا۔ اس میں آخری دو ہندسے غلط تھے۔ اسے خواہ مخواہ چپک جانے والی لڑکیاں پسند نہیں تھیں۔ اگرچہ

یہ لڑکی اسے بہت مختلف لگی تھی۔ ان سب لڑکیوں سے جو اب تک اسے ملی تھیں۔ اس کی کلاس فیلوز' اس کی پڑوسی لڑکیاں سے مختلف.... بہرحال میں شاید اسے طویل عرصہ تک یاد رکھوں۔ اس نے ہاتھ ہلایا تو وہ رخ موڑ کر تیزی سے چلنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں اور کاٹ میں سوئے بچے کے چہرے سے کمبل ہٹانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر پیچھے کرلیا۔ کاٹ کتنی خوب صورت تھی۔ کتنے دن اس نے مارکیٹ کے چکر لگائے تھے اور تب چین دن سے یہ کاٹ پسند کی تھی۔ نہ جانے کتنے کلر کے کمبل اور بیڈ شیٹ خرید ڈالی تھیں اور کپڑوں کا تو حساب ہی نہیں تھا۔

"یار یہ اتنے کپڑے.... بس کرو اب....! ایک روز.... احسن نے اس کی شاپنگ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہمارا بچہ بڑا ہو جائے گا' کپڑے ختم نہیں ہوں گے۔"

"کیا کروں احسن' یہ کوریا اور یورپ والے بچوں کے کپڑے اتنے پیارے بناتے ہیں کہ جی چاہتا ہے سارا اسٹور ہی خرید لو۔ اتنے پیارے سویٹر' گاؤن' فراک...." اور احسن مسکرا دیے تھے۔

"چلو خیر' تم اپنا شوق پورا کرتی رہو' جو بچ گئے وہ دوسرے کے کام آجائیں گے۔"

"بالکل نہیں' اب دوسرے کے متعلق سوچنا بھی نہیں۔"

"پہلے کے متعلق بھی تم نے یہ ہی کہا تھا۔" احسن نے جتایا تھا۔

اور خود احسن کیا اس سے کم تھا۔ دبئی اور ساؤتھ افریقہ گیا' بزنس ٹور پر تو بیگ بھر کے نیو بورن بے بی ڈریسز لے کر آیا تھا۔ اسے بچوں کا بہت شوق تھا۔ جب اس نے ثمرین سے کہا تھا کہ کم از کم اس کے چار بچے ہونے چاہئیں تو ثمرین اچھل پڑی تھی۔

"ہرگز نہیں.... اور پھر اتنی جلدی تو ایک بھی نہیں۔" اس روز وہ ہنی مون کے لیے یورپ گئے ہوئے تھے اور احسن نے بے اختیار ہی پارک میں کھیلتے ننھے ننھے بچوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ وہ اکلوتا تھا اور اسے بچوں کی بہت چاہ تھی' لیکن ثمرین کو بچے کچھ ایسے خاص پسند نہ تھے' حالانکہ وہ بھی صرف دو بہنیں تھیں۔ ثمرین بڑی تھی' پھر بہن.... اور احسن کو اس کے ردعمل پر حیرت ہوئی تھی۔

"ثمرین تمہیں بچے پسند نہیں ہیں۔ ذرا دیکھو تو ان ننھے فرشتوں کو' جی چاہتا ہے انہیں گود میں بھرلوں اور خوب پیار کروں۔"

"نہیں.... ایسی بات نہیں ہے۔" ثمرین نے نظریں چرائی تھیں۔

"لیکن میں اتنی جلدی بچہ نہیں چاہتی۔ بس دو تین سال بعد...." احسن نے پاس سے گزرنے والے بچے کو پیار کیا۔

"تھینکس...." بچہ شکریہ ادا کرکے بال کے پیچھے بھاگ گیا۔

"احسن میں تمہارے ساتھ زندگی کو پورے طور پر انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ دو سال تمہیں پانے نہ پانے کی جس اذیت سے میں گزری ہوں نا تو میرا جی چاہتا ہے ہمارے درمیان کوئی نہ ہو۔ چاہے وہ ہمارا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں تمہیں ہر لمحہ دیکھنا چاہتی ہوں' پوجنا چاہتی ہوں' احسن مجھے لگتا ہے بچہ آگیا تو میرا ارتکاز ٹوٹ جائے گا' بچہ میری توجہ اپنی طرف کرلے گا' تو میں تمہیں توجہ نہیں دے پاؤں گی' بس کچھ دن مجھے یہ یقین کرلینے دو کہ تم میرے سامنے ہو' میرے پاس ہو۔"

"اوکے جان احسن...." احسن نے حسرت بھری نظر پرام میں لیٹے بچے پر ڈالی تھی جو بے انتہا خوب صورت تھا۔

"ہمارے بچے بھی اتنے ہی خوب صورت ہوں گے ثمرین۔" اس نے سرگوشی کی تھی اور ثمرین کے گالوں پر گلال بکھر گیا تھا۔

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" وہ بھی بچے کو دیکھنے لگی تھی۔

وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ بے حد حسین تھے پرفیکٹ کپل.... جب اس کی شادی ہوئی تھی تو سب نے انہیں چاند سورج کی جوڑی کہا تھا۔ احسن نے اس کی خواہش کا احترام کیا تھا۔ کیونکہ وہ ثمرین سے محبت کرتا تھا اور ثمرین کو اس نے بڑی مشکلوں سے پایا تھا۔ پہلے ثمرین کے والدین تھے جو غیر برادری میں رشتہ کرنے کے لیے راضی نہ ہوتے تھے۔

اور پھر جب وہ قائل ہوئے تو احسن کی اماں تھیں جو بچپن سے ہی احسن کے لیے اپنی بھتیجی کا سوچے ہوئے تھیں اور پھر مرتے ہوئے بھائی سے انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حفصہ کو اپنی بہو بنائیں گی لیکن دل کی اپنی شرارتیں تھیں۔ احسن کے دل نے ثمرین کو پسند کیا تھا اور یہ چاہت صرف چند روزہ تو نہ تھی بلکہ کئی برسوں پر محیط تھی وہ پڑوسی بھی تھے اور کلاس فیلو بھی۔ میٹرک تک انہوں نے ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا اور جب میٹرک کے بعد وہ الگ الگ کالجز میں گئے تو احسن اور ثمرین پر ایک کے ساتھ انکشاف ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ثمرین بے انتہا خوب صورت تھی۔ اتنی حسین کہ لفظ اس کے حسن کو بیان کرنے سے قاصر ہو جاتے تھے۔

ثمرین نے بی ایس سی کے بعد پڑھائی چھوڑ دی.... احسن نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کر لیا.... ثمرین نے آنے والے ہر رشتے کو نہ کر دی۔ اس سے سات سال چھوٹی بہن بھی کالج میں پہنچ گئی تو والدین کو ہار ماننی پڑی.... احسن میں کوئی کمی تو نہ تھی ڈاکٹر' وجیہہ' خاندانی' امیر ان ہی کے نقتے سے تعلق.... برسوں کا ساتھ بس برادری ایک نہ تھی تو یہ ایسی بات نہ تھی کہ وہ ثمرین کو کسی ناپسندیدہ شخص کے حوالے کر دیتے۔ احسن کی اماں نہ مانتی تھیں' لیکن حفصہ نے یہ کہہ کر راہیں آسان کر دی تھیں کہ اسے کسی ایسے شخص کی زندگی میں شامل نہیں ہونا جس کے من میں کوئی اور بستا ہو۔ یوں دونوں ایک ہوئے تھے اور پھر احسن کیوں نہ ثمرین کی خواہش کا احترام کرتا۔ چلو دو سال کا انتظار ہی سہی۔

لیکن قدرت کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔ ہر احتیاط کے باوجود جب ثمرین کو پتا چلا کہ وہ ماں بننے والی ہے تو وہ تڑپ تڑپ کر رو دی.... شادی کے ایک سال دس دن بعد ڈاکٹر اسے خوش خبری سنا رہی تھی اور اس کا دل جیسے ڈوبا جا رہا تھا۔

"نہیں احسن نہیں.... اسے ختم کروا دیں۔"

"ہرگز نہیں...." احسن کا غصہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"یہ قتل ہے.... میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" ہر دم اس پر نثار ہونے والا احسن اس سے پہلی دفعہ خفا ہوا تھا اور اس کی خفگی ثمرین کی برداشت سے باہر تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" چھ دن بعد ہی وہ ہار گئی تھی۔

"تم نہیں جانتیں ثمرین اللہ تمہیں کتنا بڑا اعزاز بخشنے والا ہے۔ ماں بننے کا اعزاز.... تمہارے قدموں کے نیچے جنت آنے والی ہے اور تم اس جنت کو ٹھکرانے چلی ہو...." احسن نے ثمرین کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ اس نے احسن سے سوری بھی کر لیا تھا۔ اس کی دلجوئی بھی کی تھی اور بچے سے متعلق اس کے خوابوں میں بھی شریک ہوئی تھی' لیکن اندر سے اس کا دل بجھ گیا تھا اور اس نے احسن سے چوری چوری ملازمہ سے کہہ کر کتنی ہی دوائیں منگوا کر کھالی تھیں' لیکن بے سود آنے والی روح نے دنیا میں آنا تو تھا۔ امی نے بہت ڈانٹا تھا اور جس روز سبین نے اس کے کمرے میں خوب صورت بچوں کی تصویریں لگائی تھیں' تو اس روز اس کے اندر جیسے گدگدی سی ہوتی رہی تھی۔ ننھے ننھے ہاتھوں کا لمس جیسے اسے اپنے چہرے پر کئی بار محسوس ہو رہا تھا۔

"ارے یہ کیا۔" احسن نے تصویریں دیکھ کر پوچھا تھا۔

"سبین کہتی ہے' خوب صورت بچوں کی تصویریں دیکھنے سے بچہ خوب صورت ہوتا ہے۔"

"تو مجھے دیکھ لیا کرو یار میں کیا کم خوب صورت ہوں۔"

"تمہیں تو ہر وقت دیکھتی ہوں۔"

"آپ دونوں کا بچہ بے حد خوب صورت ہوگا۔ کیونکہ آپ دونوں ہی بے حد خوب صورت ہیں۔" یہ صرف سبین کی رائے نہ تھی' بلکہ نہ جانے کس کس نے کہا تھا۔

"تم دونوں کا بے بی۔ کیسا ہوگا۔" اس کی فرینڈز کہتیں۔ "ہمیں تو ابھی سے اشتیاق ہو رہا ہے اسے دیکھنے کا۔۔۔ جب تم دونوں ایسے ہو تو تمہارا بچہ۔۔۔"

اور وہ بھی سراپا انتظار بن گئی تھی۔ ڈھیروں شاپنگ کرتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں بچے کے نقوش بنتے بگڑتے رہتے۔ وہ ایسا ہوگا۔ نہیں وہ ایسا ہوگا' کبھی کبھی مارے اشتیاق سے احسن سے پوچھتی۔

"احسن وہ کیسا ہوگا' ہمارا بچہ۔۔۔"

"بچے یا ماں پر جاتے ہیں یا باپ پر وہ ہم دونوں میں سے کسی ایک جیسا ہوگا۔" احسن اس کی بے چینی پر حیران ہوتے۔ کہاں تو اس نے بچے کی آمد کا سن کر رو رو کر برا حال کر دیا تھا اور کہاں اس سے وقت کاٹے ہی نہیں کٹ رہا تھا۔

"یار وہ ہم دونوں جیسا ہوگا۔ ناک تمہارے جیسی' ہونٹ میرے جیسے' آنکھیں تمہاری جیسی' سوئی سوئی خوابیدہ سی۔۔۔" اس کی خوب صورت آنکھوں میں رنگ ہی رنگ ہوتے تھے۔

"نہیں بھئی۔۔۔ ناک بالکل تمہارے جیسی چھوٹی سی پیاری سی۔۔۔" وہ اس کی ناک کو چٹکی میں دبا کر چھوڑ دیتا۔

اور کاٹ پر دونوں بازو رکھے تھوڑا سا جھکی ثمرین کے آنسو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ اس نے ایک بار پھر ڈرتے ڈرتے ہاتھ آگے بڑھایا' لیکن پھر پیچھے ہٹا لیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ننھے سے چھ دن کے بچے سے ڈر رہی تھی' بلکہ اس لیے کہ وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس روز ہاسپٹل میں سسٹر رٹا کے بازوؤں میں گلابی کمبل میں لپٹے بچے کو ایک بار دیکھنے کے بعد اس نے دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔ کل وہ گھر آئے تھے اور کل سے بچہ آیا کے پاس ہی تھا اور آج احسن کے کہنے پر کچھ دیر پہلے ہی آیا اسے کاٹ میں سلا کر گئی تھی۔ نیند میں بچہ کسمایا تو بے اختیار اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے تھپکا۔ بچے نے ہاتھ مارا تھا یا اس کے ہاتھ لگنے سے کمبل نیچے ہو گیا تھا۔ اس کی نظر بچے کے چہرے پر پڑی تھی۔ پیشانی کے وسط میں اخروٹ جتنا گول گومڑ بنا ہوا تھا۔ اس کا نچلا ہونٹ کٹا ہوا تھا اور دائیں طرف ناک میں سوراخ تھا اور ناک کے بائیں طرف بھی چھوٹی سی بٹنی جتنی رسولی تھی اور رخسار پر بھی۔۔۔

"نہیں۔۔۔" وہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی اور اپنی چیخ دبانے کے لیے نچلے ہونٹ کو بری طرح کچل ڈالا تھا' لیکن پھر بھی اس کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے بیڈ سے ٹکرا کر وہاں ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی اور اب اس کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ رو رہی تھی۔ اونچا اونچا بلند آواز میں۔۔۔

☆ ☆ ☆

"بابا مجھے ہوسٹل میں نہیں رہنا۔ مجھے کوئی اپارٹمنٹ لے دیں۔ سعد اور میں مل کر رہ لیں گے۔" رات دس بجے وہ عثمان ملک کو فون کر رہا تھا۔

"لیکن کیوں میری جان' یہاں ہوسٹل میں کیا مسئلہ ہے۔ تمہارا اپنا الگ کمرہ ہے جو تم کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتے۔" وہ پریشان ہوئے تھے۔

"یہاں اس پورے ہوسٹل میں میرے اور سعد کے علاوہ کوئی اور مسلمان لڑکا نہیں ہے اور بابا۔۔۔"

"اوکے میری جان۔ میں دو تین دن تک کوشش کروں گا کہ آسکوں اور پھر دونوں مل کر کوئی اپارٹمنٹ دیکھ لیں گے۔" انہوں نے آج تک کبھی اس کی بات نہیں ٹالی تھی۔ وہ اگر کہہ رہا تھا تو یقیناً" کوئی مسئلہ ہوگا وہاں رہنے میں۔۔۔ انہوں نے سوچا۔

ورنہ موحد عثمان بچپن سے ہی بہت سمجھ دار تھا اور اس نے کبھی کوئی بے جا ضد نہیں کی تھی اور وہ تھا بھی

کتنا خوب صورت۔ انہوں نے تو کبھی اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا کہ کہیں ان کی نظر ہی نہ لگ جائے اور زینی تو ہر دم پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتی رہتی تھی۔ جب وہ تیسری چوتھی کا طالب علم تھا تو تب... تب بھی ایک روز آکر اس نے شکایت لگائی تھی کہ بڑی کلاس کے لڑکے اسے تنگ کرتے ہیں۔ کوئی اس کے رخسار پر چٹکی لے لیتا ہے اور کوئی...

''اف او...'' انہوں نے جھرجھری سی لی۔ ایسا بھی تو کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے، لیکن اب تو وہ بائیس سال کا ہے اور... لیکن کیا پتا...

''سنو... سنو موحد...'' گھبرا کر انہوں نے کسی قدر اونچی آواز میں کہا۔

''اگر تمہیں جلدی ہے تو میں صبح ہی آجاتا ہوں۔''

''نہیں بابا... آپ اپنی سہولت کے حساب سے آجائیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایسی کوئی ایمرجنسی والی بات نہیں، لیکن میں یہاں سیٹ نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک بیٹا تو پھر پرسوں...'' انہوں نے ایک اطمینان بھری سانس لی تھی۔

''ماما کیسی ہیں...'' اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد پوچھا۔

''ویسی ہی... ساکت، خاموش کسی پتھر کی طرح...''

اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اسے صبح پارک میں ملنے والی لڑکی کا خیال آگیا۔ کیا نام تھا اس کا۔ امل... ہاں امل... تو اگر امل ماما سے ملی ہوتی تو یقیناً کہتی۔ ارے یہ تو ماں کی مجسم تصویر ہیں اور یہ وہی ہیں جو بالکل اماں لگتی ہیں۔ شفقت اور محبت کا پیکر... عجیب لڑکی تھی۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور اسے افسوس ہوا کہ اس نے اسے غلط نمبر دیا تھا۔ کیا تھا وہ اس کی ماں سے ملنا ہی تو چاہتی تھی۔

''چلو جو ہوا سو ہوا...'' اس نے سر جھٹکا اور بابا کی بات دھیان سے سننے لگا جو اسے اپنے سیمینار کے متعلق بتا رہے تھے۔ اس کی زندگی میں صرف دو ہی رشتے تھے ماما اور بابا اور اگر کوئی تھے بھی تو وہ نہیں جانتا تھا اور نہ اس نے کبھی تجسس کیا تھا، نہ بابا اور ماما سے پوچھا تھا، وہ تو ان ہی دو رشتوں میں گم تھا اور اپنی ہر بات ان سے ہی شیئر کرتا تھا۔ ماما سے اور بابا سے... ماما اکثر اس سے اپنے بچپن کی یادیں شیئر کرتی تھیں، لیکن بابا نہیں، لیکن جب سے ماما کومے میں گئی تھیں۔ بابا اپنی ہر وہ بات جو کبھی ماما سے کہتے تھے، اس سے کہنے لگے تھے۔ پچھلے سات سال سے۔ ہاسپٹل کی باتیں اپنی کولیگز کی، اپنے پیشنٹ کی اور وہ بہت دھیان سے ان کی باتیں سنتا تھا۔ انہیں اپنی عقل کے مطابق مشورے بھی دیتا تھا۔ اور وہ بھی بہت دھیان سے اس کی بات سنتے تھے۔

''بابا...'' اسے یک دم پھر امل کا خیال آیا تھا۔

''آپ کو پاکستان سے محبت ہے، لیکن آپ کبھی پاکستان نہیں گئے... میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد کبھی آپ کو جاتے نہیں دیکھا۔ مے بی (شاید) کبھی پہلے گئے ہوں۔'' دوسری طرف عثمان ملک چونکے تھے۔

''یہ آج تمہیں کیسے خیال آگیا۔''

ایک لڑکی ملی تھی صبح پارک میں، کہہ رہی تھی کہ تم کیسے پاکستانی ہو جو کبھی پاکستان نہیں گئے۔ پاکستان میں پیدا نہیں ہوئے۔''

''خیر تمہاری جائے پیدائش...'' وہ بات کرتے کرتے یک دم خاموش ہوئے تھے۔ ''میں آخری بار تمہاری پیدائش سے چند دن پہلے پاکستان گیا تھا۔ پھر نہیں... کیا تم جانا چاہتے ہو؟''

''پتا نہیں...'' اس نے کندھے اچکائے تھے۔ ''لیکن جب اس لڑکی نے کہا تو میں نے سوچا ضرور کہ پاکستان کیسا ہوگا جو میرے بابا اور ماما کا وطن ہے۔''

''اوکے ڈیئر... اس پر بھی بات کریں گے۔ پرسوں ان شاء اللہ ملاقات ہوتی ہے۔ کل ہاسپٹل میں میرا بہت بزی دن ہے۔ کئی آپریشن کرنے ہیں مجھے...''

''اوکے اللہ حافظ بابا شب بخیر...''

''شب بخیر بیٹا...'' فون بند کر کے وہ اپنے بیڈ پر آلتی

پالتی مار کے بیٹھ گیا۔

وہ کیمبرج میں جانا چاہتا تھا' لیکن وہاں اس کا ایڈمیشن نہیں ہوسکا تھا اور پھر بابا بھی چاہتے تھے کہ وہ بولٹن میں ہی ایڈمیشن لے' حالانکہ بولٹن کے علاوہ بھی ایک دو یونی ورسٹیوں میں اس کا ایڈمیشن ہوگیا تھا' لیکن بس شاید بابا اسے دور نہیں بھیجنا چاہتے تھے اور یہاں اس یونی ورسٹی میں بابا کے دو دوست بھی تھے۔ ایک دوست مرتضیٰ صاحب تو اس کے ڈپارٹمنٹ میں تھے اور سینئر لڑکوں کی کلاس لیتے تھے۔ وہ مکینیکل انجینئرنگ کر رہا تھا۔ مرتضیٰ صاحب سے تو اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ سنجیدہ سے مرتضیٰ صاحب اسے کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے۔ بابا سے پتا نہیں کیسے ان کی دوستی ہوگئی تھی۔ انہوں نے بھی بس سرسری سی باتیں کرکے بابا سے اجازت لی تھی کہ ان کی کلاس ہے' جبکہ حفیظ صاحب سے بابا کا رابطہ ہی نہیں ہوسکا تھا۔

''مرتضیٰ اور میں بچپن کے دوست ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی سنجیدہ اور کم گو ہے' لیکن بہت مخلص اور سچا آدمی ہے۔ اگر کبھی تمہیں کوئی مسئلہ ہو تو اور میں نہ پہنچ سکوں تو ان سے ہی رابطہ رکھنا۔'' بابا اسے بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بچہ نہیں تھا' لیکن وہ بابا کی ہر بات پر یوں سرہلاتا جیسے وہ بچہ ہی ہو۔ سات سال سے بابا اس کی ماں اور باپ دونوں بنے ہوئے تھے۔ اور کتنا سچ کہا تھا اس لڑکی نے ماں کے بغیر گھر کتنے ویران اور اداس سے لگتے ہیں۔ وہ ایک بار پھر اس کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک اٹریکٹو اور دلکش لڑکی تھی اور اس کے بات کرنے کا انداز بہت مختلف تھا۔ لیکن بھلا یوں کوئی پہلی ملاقات میں اتنا بے تکلف ہوتا ہے۔ اس نے سر جھٹک کر کتاب اٹھالی۔ باہر خاموشی تھی۔ اس نے کتاب ایک طرف رکھ کر لیپ ٹاپ کھول لیا تھا اور اب نہایت سنجیدگی کے ساتھ کچھ سرچ کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

امل نے گرم گرم سوپ کا باؤل ٹیبل پر رکھا۔

''شامی کا کوئی فون آیا تھا۔''

''نہیں....'' شفیق احمد نے کتاب سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''یعنی اب وہ مجھ سے پکا پکا ناراض ہوگیا ہے اور میں نے بھی تو اس کے چالیس فون اٹینڈ نہیں کیے۔ لیکن خیر مجھے پتا ہے' وہ پھر فون کرے گا مجھے۔'' وہ مسکرائی اور باؤل میں سے سوپ نکال کر چھوٹے باؤل میں ڈال کر شفیق احمد کی طرف بڑھایا۔

''تم ککنگ اچھی کرتی ہو امل۔ اماں نے تمہیں بہت اچھی طرح سکھایا ہے سب....''

''ہاں دادی جان کا تو بس نہیں چلا ورنہ وہ تو مجھے پنگوڑے میں ہی ہر فن میں طاق کردیتیں۔''

''میں اماں کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا کہ انہوں نے تمہاری اتنی اچھی تربیت کی۔ وہ نہ ہوتیں تو شاید میں اکیلا تمہاری پرورش نہ کرپاتا۔''

''آپ دادی جان کا احسان مانتے ہیں۔'' اس نے سوپ کا چمچہ منہ میں ڈالا۔

''ہاں کیوں نہیں....'' شفیق احمد کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''تو تب ہی اس عمر میں آپ نے انہیں اکیلا کردیا۔ مجھے اپنے ساتھ لاکر۔'' ایک لمحہ کے لیے شفیق احمد خاموش ہوگئے' لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے امل کی طرف دیکھا۔

''میں نے کہا تھا انہیں کہ وہ زویا کے پاس چلی جائیں حیدر آباد....''

''اور آپ سمجھتے ہیں کہ وہ چلی جائیں گی حیدر آباد' کبھی نہیں۔'' اس نے سرہلایا اور اپنے پیالے میں کچھ اور سوپ ڈالا۔

''وہ کبھی بھی بیٹی کے گھر جاکر رہنا پسند نہیں کریں گی بابا! آپ دادی کو بالکل نہیں جانتے۔'' اس کی سبز آنکھوں میں ملال کے رنگ تھے۔

''اور وہاں دادی کتنی اکیلی ہوگئی ہوں گی نا میرے بغیر.... اور وہ شامی کا بچہ.... پتا نہیں وہ دادی کی طرف جاتا ہوگا یا نہیں اور میں اسے یہ ہی تو کہنے گئی تھی کہ

میرے جانے کے بعد وہ روز دادی کی طرف جائے اور مجھے اسے یہ بھی بتانا تھا کہ میں اپنے بابا کے حکم پر جلاوطن ہو رہی ہوں۔"

"تم ایسا سمجھتی ہو اہل۔۔۔" انہوں نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے باؤل ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تو جب کوئی اپنے ملک سے دوسرے ملک میں جانے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ جلاوطنی ہی تو ہوتی ہے۔ یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے بابا جو میرے ملک جیسا ہو۔ میرے ملک کی شامیں' میرے ملک کی صبحیں' میرے ملک کی راتیں' یہاں کی شاموں' راتوں' صبحوں سے بالکل مختلف ہیں۔" شفیق احمد نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔ وہ عجیب سے تاسف میں گھرے بیٹھے تھے۔

"اگر میں نے یہ چاہا کہ میری بیٹی' میری اکلوتی بیٹی یہاں انگلینڈ میں آکر پڑھے تو کیا غلط چاہا۔ لوگ تو مرتے ہیں لندن اور امریکہ میں پڑھنے کے لیے۔۔۔ میں خود یہاں تھا اور میری بیٹی پاکستان میں پڑھ رہی تھی اور میں نے اس کے لیے سوچا کہ وہ بھی یہاں سے ڈگری لے۔"

"آپ نے یقیناً" اچھا سوچا' لیکن بابا آپ نے صرف بیٹی کے لیے سوچا' اماں کے لیے نہیں سوچا' ماں تو ماں ہوتی ہے بابا۔۔۔ جس کے بغیر دل اور گھر ویران ہو جاتے ہیں۔" اس کی پلکیں نم ہوئیں تو اس نے جھک کر باؤل اٹھاتے ہوئے پلکوں کی نمی چھپائی اور کھڑی ہو گئی۔ اس کے دل میں ماں کے نہ ہونے کا کتنا ملال تھا۔ یہ شفیق احمد نہیں جان سکتے تھے۔ وہ تو اسے دادی کی گود میں ڈال کر مطمئن ہو گئے تھے کہ دادی نے دو سالہ اہل کو سینے سے لگا لیا تھا' لیکن پتا نہیں اہل کیسی بچی تھی کہ دادی کی بے تحاشا محبتوں کے باوجود اپنی ہر سہیلی کی ماں کو حسرت سے تکا کرتی تھی۔

"بابا روٹیاں ابھی بنا لوں یا کچھ دیر بعد۔۔۔" وہ باؤل اٹھا کر لے جاتے ہوئے پوچھ رہی تھی' وہ چونکے۔

"ہاں۔۔۔ نہیں مجھے بھوک نہیں ہے تم کھا لو۔"

"بابا میں نے آلو اور مٹر کی بھجیا بنائی ہے۔ آپ نے چکن کا کہا تھا نا' لیکن یہاں کا چکن۔۔۔ مجھے اس کا ذائقہ پسند نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کے چکن کا ذائقہ ہی اور ہوتا ہے۔ بھجیا بہت مزے کی ہے اور میں آج اسٹور سے نیشنل کا اچار بھی لائی تھی۔ تھوڑا سا کھا لیں۔ کچھ دیر بعد روٹیاں بنا لوں گی۔" انہوں نے سر ہلا دیا وہ ابھی تک اس کی بات میں الجھے ہوئے تھے اور ان کا دل تائید کر رہا تھا کہ انہوں نے صرف بیٹی کا سوچا' ماں کا نہیں۔

"لیکن بیٹیوں کو سدا گھر میں بھی نہیں رہنا ہوتا' آخر شادی کے بعد بھی تو اسے گھر چھوڑنا ہی تھا اور پھر اس کی ایجوکیشن کی خاطر ہی تو لایا ہوں اسے۔۔۔" وہ خود کو سمجھا رہے تھے یا دل کو' لیکن دل نے جیسے اس کمزور جواز پر احتجاج کیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ انہوں نے صرف بیٹی کے مستقبل کا سوچا تھا اور شاید اپنا بھی۔۔۔ دس سال سے وہ یہاں پڑھا رہے تھے اور شاید اکیلے رہتے رہتے تھک گئے تھے۔ لیکن واپس جانے کو بھی ان کا جی نہیں چاہتا تھا۔ یہاں کی مصروف زندگی میں وہ ناہید کو بھول جاتے تھے یا سمجھتے تھے کہ انہیں ناہید کی یادیں یہاں اتنا تنگ نہیں کرتیں' جتنا پاکستان میں تنگ کرتی تھیں۔

ناہید ان کی ماں کی پسند تھی اور شادی سے پہلے انہوں نے اسے دیکھا تک نہ تھا' لیکن وہ پانچ سال جو انہوں نے اس کے سنگ گزارے تھے۔ ناہید نے جس طرح انہیں اپنا اسیر کیا تھا' جیسے اماں کا خیال رکھا تھا' وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ تھی ہی ایسی کہ اس سے عشق کیا جاتا اور پھر اس کے بعد بھی یہ عشق ایسا ہی تھا۔ روز اول کی طرح۔۔۔ اماں کی ضد شادی کر لو۔۔۔ زویا کا اصرار۔۔۔ وہ انکار کر کر کے تھک گئے تھے۔ وہ انہیں اپنا دل چیر کر نہیں دکھا سکتے تھے۔ اس لیے جب یہاں جاب ملی تو یہاں چلے آئے۔ ان دس سالوں میں وہ چار بار پاکستان گئے تھے اور ہر بار ہی اماں نے انہیں پاکستان میں رکنے اور شادی کرنے کے لیے کہا تھا اور ہر بار ہی ناہید ان کے سامنے آ کھڑی ہوتی۔ پچھلی بار جب وہ پاکستان گئے تھے تو اہل کے پیپرز لے آئے تھے۔ "میں چاہتا ہوں ایف ایس سی کے بعد

امل وہاں پڑھے۔"

"نہ میں تو اسے نہیں بھیجوں گی گوروں کے دیس میں۔۔۔ شرابی اور عیسائی لوگوں میں۔۔۔"

"اماں میں ہوں گا وہاں پہ' اکیلی تو نہیں رہے گی نا۔" اماں ناراض ہوئیں' لیکن انہوں نے منا ہی لیا تھا انہیں۔ ماں تھیں نا' مان گئیں' لیکن امل۔۔۔ امل سے تو انہوں نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ وہ ایف ایس سی کر چکی تھی اور یہاں جیسے ہی ایڈمیشن اوپن ہوئے تھے انہوں نے سب مکمل کر کے اسے بلوالیا تھا۔ انہیں یاد آیا جب پچیس دن پہلے انہوں نے اسے ایئرپورٹ پر ریسیو کیا تھا تو انہیں وہ روئی روئی سی لگی تھی۔

اور ایئرپورٹ پر ان سے ملتے ہی پہلی بات جو کی تھی اس نے وہ یہ تھی کہ دادی بہت رو رہی تھیں۔

"شاید انہوں نے اسے یہاں بلوا کر غلط ہی کیا تھا۔ ستمبر میں کلاسز شروع ہوئی تھیں اور پورا سمسٹر ڈراپ کر کے دسمبر میں آئی تھی۔ اماں نے بتایا تھا۔ وہ بیمار ہے۔ اسے ٹائیفائیڈ ہے۔ اس کا بخار بگڑ گیا ہے اور وہ سمجھے ہی نہیں کہ وہ دادی کو چھوڑ کر یہاں آنا نہیں چاہتی' وہ بے چین سے ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کچن میں چلے آئے۔ ٹھیک ہے' اگر وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی تو وہ اسے واپس بھجوا دیتے ہیں' لیکن جیسے یک دم ان کا دل ڈوب گیا۔ ان کے اس چھوٹے سے گھر میں اس کے آنے سے کتنی رونق اتر آئی تھی۔ ہر وقت چہکتی رہتی۔ کیوں نہ اماں کو یہاں بلوالوں۔۔۔ کچن میں کھڑے کھڑے انہوں نے سوچا۔ تب ہی اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"مجھ سے روٹیاں صحیح نہیں بنتی تھیں۔ دادی نے بہت سر مارا' تب کہیں جا کر۔۔۔ دیکھیں کتنا زبردست پھلکا بنا ہے۔ پھولا پھولا سا' نرم اور مزے کا۔" اس نے پھلکا اتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھا۔

"امل۔۔۔" انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "بیٹا اگر تم چاہتی ہو تو میں تمہیں واپس بھجوا دیتا ہوں وہاں ہی پڑھ لینا۔" دل ڈوب گیا تھا۔

"نہیں' خیر اب آ گئی ہوں تو پڑھ ہی لوں گی۔ اتنا خرچ کیا آپ نے۔" اس نے جلدی جلدی روٹی بیلی۔ "بس آپ لمبی چھٹیوں میں ہر سال پاکستان بھجوا دیا کریں۔" تب ہی باہر فون کی بیل ہوئی تھی۔

"ضرور شامی کا ہوگا۔" اس کی سبز آنکھوں میں جیسے جگنو سے دمک اٹھے تھے۔ اس نے ٹائم دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔ "اس وقت پاکستان میں تو آدھی رات ہوگی۔ دادی تو سو رہی ہوں گی' ضرور شامی کا ہی ہوگا۔ چمگادڑوں کی طرح وہ دو بجے تک جاگتا ہے۔" اس نے روٹی توے پر ڈالتے ہوئے تبصرہ کیا اور باہر بھاگی۔

"پاپا آپ روٹی دیکھ لیجیے گا۔" اس نے شامی سے ناراضی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور شفیق احمد کے لبوں پر روٹی کو چمٹے سے پلٹتے ہوئے مسکراہٹ تھی اور ڈوبا ڈوبا دل آپوں آپ تیرنے لگا تھا۔

"شامی۔۔۔ شامی یہ تم ہو نا۔" لاؤنج میں ریسیور کانوں سے لگائے وہ پوچھ رہی تھی۔ "وہاں تو اس وقت رات کے دو بجے ہوں گے۔"

"امل۔۔۔" دوسری طرف شامی ہی تھا۔

"خیر اب معذرت کرنے کی ضرورت نہیں' میں تمہیں معاف کر چکی ہوں۔ یہ بتاؤ دادی کی طرف جاتے ہو نا۔ خیال رکھتے ہو نا ان کا۔۔۔" وہ اس کی بات سنے بغیر ہی بولے چلی جا رہی تھی۔

"تم مجھے بتائے بغیر مجھ سے ملے بغیر چلی گئیں۔" اسے شامی کی آواز کچھ بھاری بھاری سی لگی تھی۔

"ہاں تو ناراض تھی تم سے۔۔۔ تم نے ڈانٹا بھی تو تھا نا۔ میں تو تمہیں بتانے ہی آئی تھی نا۔ خیر چھوڑو' لگتا ہے تمہیں نیند آ رہی ہے۔"

"نہیں وہ۔۔۔" شامی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ لیکن کسی کے چیخنے کی آواز آئی تھی' شاید کوئی رو رہا تھا۔ یک دم فون بند ہو گیا۔

"عفان پاپا بجو ہوں گے۔" اس نے سوچا۔ کچھ دیر وہ بیٹھی رہی کہ شاید ابھی پھر فون آئے' لیکن فون نہیں آیا تھا۔ البتہ پاپا نے آواز دی تھی۔ وہ ٹیبل پر کھانا لگا چکے تھے۔

"اچھا۔ کل خود ہی فون کرلوں گی اور اسے بتاؤں گی۔ اس کے متعلق کیا نام تھا۔ اس کا موحد عثمان۔۔۔ کیسا بونگا لڑکا تھا۔ خود کو پاکستانی کہتا تھا اور پاکستان کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی، جہاں شفیق احمد اس کا انتظار کررہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ہشام نے ریسیور کریڈل پر ڈالا تھا اور تقریباً" دوڑتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا عفان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ دروازے کے باہر بیٹھی تھیں۔ لٹی پٹی نڈھال اور وقفے وقفے سے ان کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ یہ چیخیں کسی ڈر سے نہیں نکل رہی تھیں بلکہ وہ رو رہی تھیں اونچا اونچا تڑپ تڑپ کر۔۔۔

"عفو۔۔۔ عفان میری جان۔" وہ دروازے سے سر پٹخ رہی تھیں۔

"ماما۔" وہ ان کے قریب ہی دوزانو بیٹھ گیا اور اس نے ان کے ہاتھ تھامے اور چوم کر چھوڑ دیے۔ پھر ان کا سر سینے سے لگایا اور دایاں بازو ان کے گرد حائل کرتے ہوئے ہولے سے کہنے لگا۔

"ماما پلیز ریلیکس۔" انہوں نے نظریں اٹھا کر کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔ خالی بیڈ۔۔۔ خالی کمرہ۔۔۔

"کیسے کیسے ریلیکس کروں شاہی۔ پتا نہیں وہ سویا بھی ہوگا یا نہیں۔ پتا نہیں اس نے کھانا بھی کھایا ہوگا یا نہیں۔۔۔ تمہیں پتا ہے نا ہشام وہ میرے علاوہ کسی سے کھانا نہیں کھاتا تھا۔ میں لقمے بنا بنا کر اس کے منہ میں ڈالتی تھی یہ عجو تو کھالیتی تھی نا تمہارے ہاتھ سے بھی آپا کے ہاتھ سے بھی لیکن وہ نہیں۔۔۔ وہ ہاتھ مار کر ٹرے الٹ دیتا تھا۔ جب تک میں خود۔۔۔ وہ بھوکا ہوگا۔ ہشام۔۔۔ بھلا وہاں کون اس کی ناز برداریاں کرے گا کون۔۔۔ میرا بیٹا، میرا عفو۔ بھوکا ہوگا نا شاہی اسے تو نیند بھی نہیں آتی ہوگی۔" وہ رونے لگیں اونچا اونچا بلند آواز میں۔ انیس سالہ ہشام نے دونوں بازو ان کے گرد لپیٹ لیے۔

"ماما میں ڈھونڈ رہا ہوں اسے ڈھونڈ لوں گا چار دن سے میں صبح سے شام تک ڈھونڈتا رہتا ہوں اسے۔ وہ مجھے مل جائے گا تو ماما پرامس ہم اسے اور عجو کو لے کر چلے جائیں گے۔ یہاں نہیں رہیں گے۔۔۔ نانو کے گھر چلے جائیں گے۔ وہ گھر آپ کا بھی تو ہے نا۔۔۔ آدھا آپ کا آدھا خالہ کا۔۔۔ ہم اپنے حصے میں رہ لیں گے۔ نانو کبھی منع نہیں کریں گی۔ نانو بھی تو اکیلی ہیں نا وہ ہمارے جانے سے خوش ہو جائیں گی اور خالہ کو بھی جو ہر وقت ان کی فکر رہتی ہے نہیں رہے گی۔"

تم سچ کہہ رہے ہونا ہشام۔۔۔" انہوں نے پرامید نظروں سے اسے دیکھا۔

"بالکل سچ ماما۔۔۔ بس آپ دعا کریں۔ اللہ دعائیں سنتا ہے اور ایک ماں کی دعا تو وہ ضرور سنے گا۔ رد نہیں کرے گا۔" ہشام نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔

"چلیں آئیں میں آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ دوں۔" اس نے انہیں اٹھنے میں مدد دی۔

"میں عجو کے کمرے میں سوؤں گی۔ وہ آنکھ کھلنے پر اٹھ کر رونے لگتی ہے۔ اسے عفان یاد آتا ہے۔ وہ شاہ دولی ہے اس کے پاس عقل نہیں ہے۔ اسے کبھی کبھی دورے پڑتے ہیں، لیکن وہ عفان کو نہیں بھولتی۔ اور میں۔۔۔ میں تو ماں ہوں اس کی میں۔ کیسے بھول سکتی ہوں۔ تمہارے ڈیڈی نے یہ ظلم کیوں کیا ہشام۔۔۔ ہم کیا کہتے تھے انہیں اور ان کے آنے پر تو میں اسے کمرے میں بند کردیا کرتی تھی تاکہ اسے دیکھ کر انہیں غصہ نہ آئے۔ پھر بھی۔۔۔" انہوں نے ہشام کے ہاتھ تھام لیے۔ آنسو ایک بار پھر پلکوں کا بند توڑ کر ان کے رخساروں پر پھیل رہے تھے، لیکن اب ان کی آواز بلند نہیں تھی۔ وہ ہولے ہولے رو رہی تھیں۔

"ماما پلیز اب آپ بالکل نہیں روئیں گی۔ میں آپ کو سکون کے لیے ٹیبلٹ دیتا ہوں۔ آپ آرام سے سو جائیں۔۔۔ میں ادھر لاؤنج میں ہی صوفے پر لیٹا ہوں۔ عجو روئی تو میں دیکھ لوں گا اسے، لیکن آپ کو آرام و سکون سے سونا ہے۔ کتنی راتوں سے آپ ایسے

ہی جاگ رہی ہیں۔ اگر آپ کو کچھ ہوگیا تو بجو کا کیا ہوگا۔ ڈیڈی اسے بھی کسی ادارے میں چھوڑ آئیں گے۔" ہشام نے جیسے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"نہیں۔" انہوں نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

"تو پھر آپ کو اپنا خیال رکھنا ہے۔ پرامس۔"

انہوں نے سرہلادیا۔ وہ انیس سال کی عمر میں کسی سمجھ دار اور مدبر مرد کی طرح بات کرتا تھا۔

یہ ان کا بیٹا تھا' لیکن انہوں نے اسے کبھی وہ توجہ نہیں دی تھی جو اس کا حق تھا کیونکہ اس کے ساتھ ہی عفان بھی تو تھا۔ جب انہوں نے ہشام کو گود میں لیا تھا تو انہیں لگا تھا جیسے آسمان سے چاند اتر کر ان کی گود میں آگیا ہے' لیکن جب نرس نے کمبل میں لپٹا دوسرا بچہ ان کی گود میں ڈالا تھا تو وہ گنگ سی ہوگئی تھیں۔ ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر وہ ایک ٹک اسے دیکھے جارہی تھیں۔

"ہمارا ایک بچہ بالکل نارمل ہے جبکہ دوسرا...." عبدالرحمٰن ملک ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ہولے ہولے بتا رہے تھے۔

"اگر تم کہو تو اسے کسی ادارے کو دے دیں۔" یہ اس کی پیدائش کے دس دن بعد کی بات تھی اور عبدالرحمٰن نے ان کی رائے چاہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔" دس دن کے بچے کو انہوں نے اپنے سینے کے ساتھ لگالیا تھا۔ "یہ ہمارا بچہ ہے عبدالرحمٰن ہم کیسے...." آنسو ٹپ ٹپ ان کی آنکھوں سے گر کر اس کے کمبل میں جذب ہونے لگے تھے۔

"اوکے ریلیکس۔ میں نے تو تمہارے لیے کہا تھا آگے چل کے مشکل ہوگی۔ ایسے بچے کے ساتھ...."

"نہیں مشکل ہوگی مجھے کبھی مشکل نہیں ہوگی۔"

انہوں نے اسے یوں بازوؤں میں لیا جیسے چھپا رہی ہوں۔ عبدالرحمٰن نے کوئی زیادہ پروا نہیں کی تھی کیونکہ ہشام تھا نا.... حویلی میں پورا مہینہ چراغاں ہوتا رہا۔ خیرات دی جاتی رہی آخر سلیمان ملک کا پوتا اور اس حویلی کا وارث پیدا ہوا تھا۔ کتنے سالوں بعد حویلی میں کوئی بچہ پیدا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن کے بعد ایک بھائی پھر ناہید تھی اور ناہید کے بعد یہ پہلی خوشی تھی جو اس حویلی نے دیکھی تھی۔ عبدالرحمٰن سے چھوٹے بھائی بھی بے اولاد تھے اور عبدالرحمٰن جن کی پہلی شادی اپنی چچازاد سے بیس سال کی عمر میں ہوگئی تھی اولاد سے محروم ہی رہے تھے چودہ سال بعد انہوں نے دوسری شادی کی تھی اور اللہ نے انہیں ایک نہیں دو بیٹوں سے نوازا تھا اگرچہ دوسرا بیٹا نارمل نہیں تھا' لیکن ایک تو تھا نا۔ حویلی کا وارث۔ سو خوشیاں منانا تو بنتا تھا نا۔ اور خوشیاں منائی گئی تھیں دل کھول کر لیکن وہ تو ہر وقت عفان کو یوں گود میں لیے بیٹھی رہتی تھیں جیسے ابھی کوئی چھین کرلے جائے گا۔

اس نے عبدالرحمٰن سے کہا۔ "عبدالرحمٰن میں مرجاؤں گی۔ مجھے ہر لمحہ یہاں دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی اسے مجھ سے چھین کرلے جائے گا۔"

"کسی کی جرات ہے جو ہمارے بچے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔" عبدالرحمٰن آج کئی دنوں بعد اندر حویلی آئے تھے۔ ڈیرے پر ابھی تک جشن منایا جارہا تھا۔ انہوں نے انہیں اپنے ساتھ لگالیا تھا۔

"جیسا بھی ہے یہ ہمارا بچہ ہے۔ ہمارا خون ہے اپنے خون سے سینچا ہے میں نے اسے۔ میں اسے خود پالوں گی۔"

"ہاں ہاں ضرور۔" عبدالرحمٰن تو یوں بھی ان کے حسن کے اسیر تھے چودہ سال انہوں نے اپنے سے دس سال بڑی چچازاد بہن کے ساتھ بڑی بے رنگ زندگی گزاری تھی۔

"تو پھر کراچی چلیں نا اپنے گھر۔ وہاں بڑے بڑے ڈاکٹر ہیں ہم عفان کو انہیں دکھائیں گے۔ کیا پتا وقت کے ساتھ وہ ٹھیک ہوجائے۔ آج کل تو بڑی ترقی کرلی ہے دنیا نے۔" اور وہ کراچی آگئیں۔ کراچی تو آنا ہی تھا کیونکہ وہ بیاہ کر کراچی ہی آئی تھیں اور یہ پہلے ہی طے ہوگیا تھا کہ وہ حویلی میں نہیں رہیں گی جہاں ان کی سوکن رہتی تھیں حویلی تو وہ خاص خاص موقعوں پر ہی

جاتی تھیں اور اب تو حویلی کا وارث پیدا ہوا تھا اور اب ان کا حویلی جانا بنتا تھا، لیکن وہ صرف ستائیس دن بعد آگئی تھیں۔ بڑی اماں کو عبدالرحمٰن نے کیسے منایا تھا۔ انہوں نے نہیں پوچھا تھا۔ وہ کراچی آکر خوش تھیں کہ یہاں بھانت بھانت کی باتیں کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ناہید نہا کر اپنی ساس کے ساتھ مبارک دینے آئی تو پہلی بار ان کی باتیں سن کر دل کو سکون ملا تھا۔ ناہید کے ہاں امل پیدا ہوئی تھی امل کی دادی نے عفان کو بھی گود میں لیا تھا اور پیار بھی کیا تھا۔ اور ان کے علاوہ وہ پہلی ہستی تھیں جنہوں نے عفان کو پیار کیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے تو کبھی عفان کو پیار نہیں کیا تھا۔ ہاں کبھی کبھی وہ اسے غور سے دیکھتے ضرور تھے۔

"دل چھوٹا مت کرو بیٹی۔ یہ اس کی طرف سے آزمائش ہے۔ اللہ یونہی اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ صبر اور شکر کے ساتھ اس کی پرورش کرو۔ اللہ نے تمہیں ایک صحت مند بیٹا بھی تو دیا ہے۔" اور انہوں نے دل و جان سے اس کا دھیان رکھنا شروع کر دیا حویلی میں ہشام کو سنبھالنے والے بہت تھے۔ یہاں عبدالرحمٰن نے اس کے لیے ایک گورنس رکھ لی۔ کیونکہ وہ عفان کے ساتھ مصروف ہوتی تو ہشام ذرا سا بھی روتا تو عبدالرحمٰن بے چین ہو جاتے تھے۔

"پہلے ہشام کو دیکھو جانو۔"

"لیکن یہ۔" وہ بے بسی سے عفان کو دیکھتیں جو روتا تو روتا ہی چلا جاتا تھا۔

"یوں گورنس آگئی... اور..."

انہوں نے ہشام کی طرف دیکھا۔

"ماما کیا سوچ رہی ہیں چلیں میں نے کہا نا آپ نے کچھ نہیں سوچنا۔" یہ ان کا بیٹا تھا ہر لمحہ ان کا خیال رکھتا۔

"مجھے معاف کر دو ہشام... میں تمہیں بہت تنگ کرتی ہوں... میں نے عفان اور عجو کی ذمہ داریوں میں کھو کر تمہارا کبھی خیال نہیں رکھا... میں نے تمہارا اس طرح خیال نہیں رکھا جس طرح کوئی اچھی ماں رکھتی ہے۔ ہیں نا، میں اچھی ماں نہیں ہوں... میں کبھی بھی اچھی ماں نہیں تھی... مجھے معاف کر دو بیٹا۔" انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"ماما۔" ہشام نے تڑپ کر ان کے جڑے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے آنکھوں سے لگائے اور پھر اسی طرح ہاتھوں میں لیے لیے بولا۔

"آپ بہت اچھی ماں ہیں۔ دنیا کی عظیم ماؤں میں سے ایک ماں اور مجھے فخر ہے کہ آپ میری ماں ہیں۔ ماما میں کبھی بھی آپ سے ناراض نہیں رہا... بہت بچپن میں ہی مجھے آپ کی مجبوری اور آپ کی ذمہ داری سے سمجھوتا کرنا آگیا تھا... آپ ایسا کبھی بھی نہیں سوچنا... ہشام کبھی اپنی ماما سے ناراض نہیں ہو سکتا... کبھی نہیں۔" ان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور انہوں نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہونٹ رکھے۔

وہ انہیں لیے لیے کمرے تک آیا انہیں نیند کی ایک گولی دی اور پھر کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر لٹاتے ہوئے ان پر کمبل اوڑھا کر پاس ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اور ان کی طرف دیکھنے لگا یہ اس کی ماما تھیں۔ بیگم عبدالرحمٰن ملک۔ جو بے حد نفاست پسند بہت ویل ڈریسڈ اور بے انتہا خوب صورت تھیں اور جب عبدالرحمٰن شاہ پہلی بار انہیں حویلی لے کر گئے تھے تو سب نے دانتوں میں انگلیاں دے لی تھیں۔

"ارے یہ اتنی حسین لڑکی عبدالرحمٰن کو کیسے مل گئی۔" حتیٰ کہ بڑی امی نے بھی ان کے حسن کو سراہا تھا اور یہ سب اسے ڈیڈی نے ہی تو بتایا تھا۔

"تمہاری ماں دنیا کی حسین ترین عورت ہے ہشام، لیکن اس نے اپنے آپ کو رول لیا ہے۔" کیسی ویران اجڑی اجڑی سی لگ رہی تھیں اس وقت۔ پتا نہیں کتنے دنوں سے انہوں نے بال نہیں بنائے تھے کپڑے نہیں تبدیل کیے تھے۔ شاید جب سے عفان گیا تھا۔ وہ گیا کہاں تھا اسے تو لے جایا گیا تھا۔ اور ڈیڈی تھے جو اسے لے کر گئے تھے۔ ڈیڈی نے میڈم نیلوفر کو جانے کا کہا تھا، لیکن انہوں نے صاف منع کر دیا تھا۔

"ارے نہیں جاؤں گی کہیں۔ دم گھٹتا ہے اس بند

فلیٹ میں... یہ کہاں کا انصاف ہے عبدالرحمٰن صاحب کہ ایک بیوی تو یہ اتنے بڑے گھر میں رہے اور دوسری دو کمروں کے فلیٹ میں۔" اور بے چارے عبدالرحمٰن ملک بھاگتے چلے آئے تھے انہیں ہشام کی ناراضی گوارا نہ تھی۔

"چلو اپنا سامان سمیٹو فورا"۔" انہوں نے آتے ہی حکم دیا تھا" اور کس کی اجازت سے آئی تھیں تم۔"

"اپنے گھر آنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"یہ تمہارا گھر نہیں ہے شاہ کی ماں کا ہے چلو دس منٹ میں تیار ہو جاؤ... نہیں تو ابھی طلاق دے کر فارغ کرتا ہوں..." نیلوفر کو تو انہوں نے بھیج دیا تھا' لیکن ان کا سارا غصہ ماما پر اترا تھا۔ کیونکہ اسی وقت عفان کو دورا پڑ گیا تھا اور یہ دورے تقریبا" چار سال سے پڑ رہے تھے۔ وہ خوف ناک چیخیں مارتے ہوئے سارے گھر میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ پھر اس نے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیے تھے۔ دانتوں سے... ہشام نے ملازم کے ساتھ مل کر بڑی مشکل سے اسے پکڑ کر کمرے میں بند کیا تھا اور عبدالرحمٰن ملک غصے سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اتنے سالوں تک میں نے کچھ نہیں کیا' لیکن اب وہ گھر میں رکھنے کے قابل نہیں رہا۔ ہشام پر برا اثر پڑ رہا ہے... وہ اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دے یا اسے سنبھالے۔"

"خادم ہے نا' زیادہ تو وہی سنبھالتا ہے۔" وہ منمنائی تھیں۔

"نیلوفر نے بہت پہلے مجھے کہا تھا کہ ان بچوں کو کسی ادارے میں بھیج دو۔"

"نہیں۔ نہیں۔" وہ ہاتھ جوڑنے لگی تھیں۔

"جگو نے کیا بگاڑا ہے وہ تو بالکل بے ضرر سی ہے۔ کچھ نہیں کہتی۔ لڑکی ذات ہے عبدالرحمٰن خدا کے لیے..." اور عبدالرحمٰن اٹھ کر بیڈ روم میں چلے گئے تھے اور وہ یہاں ہی بیٹھی روتی رہی تھیں کانپتی رہی تھیں اور عبدالرحمٰن کچھ دیر بعد تیار ہو کر نیلوفر کے فلیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ سات ماہ پہلے انہوں نے خاموشی سے نیلوفر سے شادی کر لی تھی۔ اس شادی کو سات ماہ ہی تو ہوئے تھے اور بڑی امی کو وفات پائے بھی تقریبا" دو سال ہو گئے تھے۔ وہ اب بہت کم حویلی جاتے تھے۔ بس کام سے اور ان کا زیادہ وقت نیلوفر کے ساتھ ہی گزرتا تھا حالانکہ وہ ماما کے پاؤں کی خاک بھی نہیں تھی اور اس وقت بھی وہ چلے گئے تھے اور ہشام بہت ڈس ہارٹ ہوا تھا۔ وہ ان کے لیے اداس تھا اسے ان سے بہت کچھ شیئر کرنا تھا' لیکن وہ چلے گئے تھے اور امل بھی اپنے پاپا کے پاس چلی گئی تھی بغیر ملے۔

اس روز وہ دادی کے پاس بہت دیر بیٹھا تھا اور دادی سے سفارش کرنے کو کہا تھا اور ڈیڈی اس عرصہ میں عفان کو لے کر چلے گئے تھے۔ ساری رات عفان نے ماما کو جگایا تھا اور وہ تھک کر سو رہی تھیں کہ ڈیڈی اسے لے گئے اور ماما کی حالت خراب ہو گئی۔ اور چار دن سے وہ ایدھی سینٹر اور دوسرے اداروں کے چکر لگا رہا تھا' لیکن عفان کہیں بھی نہ تھا۔ اس نے ماما کی طرف دیکھا وہ سو رہی تھیں وہ چپکے سے باہر آیا۔ آج بھی امل سے بات نہیں ہو سکی تھی' لیکن چلو اتنا تو پتا چل گیا کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہے اب اور یہ تو وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہ سکتی۔ لاؤنج میں صوفے پر کشن سر کے نیچے رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

☼ ☼ ☼

"ثمرین پلیز ایسا مت کرو... کیوں کر رہی ہو اس طرح۔" احسن بہت دیر سے اسے سمجھا رہے تھے اور اس کے آنسو خاموشی سے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"تمہارا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ یہ جیسا بھی ہے ہمارا بیٹا ہے تم اسے ایکسپٹ (قبول) کر لو۔ تمہیں اس کا کتنا انتظار تھا اور اب تم اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں ہو۔"

"مجھے اس کا تو انتظار نہیں تھا۔ میں نے جس کا

انتظار کیا تھا وہ تو۔۔۔" اس کی نظریں سامنے دیوار پر لگے پوسٹر کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ بے حد خوب صورت بچہ جیسے قلقاریاں مارتا ہوا گود میں آنے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ اس نے پوسٹر سے نظریں ہٹالیں اس کے آنسو پہلے سے زیادہ روانی سے بہنے لگے تھے۔

"دیکھو ثمرین۔" احسن نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"ہمارا بچہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اسے تھوڑا سا بڑا ہونے دو۔ یہ جو رسولیاں اس کے چہرے پر ہیں ان کو اپریٹ کردیا جائے گا اور۔۔۔"

"نہیں۔" اس نے ہاتھ چھڑالیے۔

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا احسن یہ میرا بیٹا۔ ہمارا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ بہت بدصورت ہے اس کا سر دیکھا ہے تم نے انڈے کی طرح بالکل سپاٹ ایک بال بھی نہیں۔۔۔ میں نے چھوٹے بچے دیکھے ہیں۔۔۔ یہ بالوں سے سر بھرا ہوتا ہے اور یہ۔۔۔ اس کے بال کبھی نہیں اگیں گے اور یہ اس انڈے کے چھلکے جیسے سر کے ساتھ کتنا بھیانک لگے گا۔ سوچو۔۔۔ سوچو احسن۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا ثمو' سائنس بہت ترقی کرچکی ہے۔۔۔ یہ ہمیشہ ایسا نہیں رہے گا کچھ نہ کچھ تو بہتری آئے گی۔"

"اچھا۔" وہ طنز سے ہنسی۔

"اور اس کا دماغ۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے یہ نارمل بھی نہیں ہو گا۔۔۔ اور ایک ابنارمل بچہ ڈاکٹر احسن اور ثمرین احسن کا بچہ۔۔۔" وہ عجیب طرح سے ہنسی تھی۔

"یہ اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش ہے ثمرین۔۔۔ ہم نے اللہ کو بھلا رکھا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ ہم اسے یاد رکھیں۔ اسے پکاریں۔۔۔ اس سے دعا مانگیں۔۔۔ تم بھی دعا مانگو اللہ سے۔۔۔"

"کیا دعا مانگنے سے یہ تبدیل ہو جائے گا اور اس کی جگہ کوئی خوب صورت بچہ آجائے گا۔۔۔ ایسا ہی جیسا کہ ہم ڈیزرو کرتے تھے۔"

"ثمرین۔"

"خدا کے لیے اپنے آپ کو سنبھالو۔" احسن بے زار ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"تمہاری وجہ سے میں بہت ڈسٹرب رہنے لگا ہوں۔۔۔ کل تھیٹر میں آپریشن کے لیے گیا اور آپریشن کیے بغیر آگیا۔۔۔ مجھے لگا میں غلط کردوں گا جب تم اسے گود میں لو گی پیار کرو گی دودھ پلاؤ گی تو خود بخود تمہارے دل سے محبت کے سوتے پھوٹ پڑیں گے۔ تم تو ماں ہو ثمرین اور میں باپ پھر بھی ان چند دنوں میں مجھے اس سے بہت محبت ہو گئی ہے۔ میں جب اسے گود میں اٹھاتا ہوں تو میرے آنسو میرے اندر گرنے لگتے ہیں۔ اس خیال سے کہ آنے والے کل میں میرا بچہ کتنی تکلیف سے گزرے گا۔ ہم اسے باہر لے جائیں گے اس کا علاج کروائیں گے پلیز ثمرین۔۔۔" ثمرین سر جھکائے روتی رہی جیسے اس نے احسن کی ایک بھی بات کو سمجھنے کی کوشش نہ کی ہو۔ احسن آپا کو بچے کے متعلق ہدایات دے کر چلا گیا۔۔۔ ثمرین یونہی ساکت بیٹھی رہی۔ بچہ رو رہا تھا' لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی تھی۔ وہ یونہی ساکت بیٹھی تھی۔ آپا نے آکر بچے کو اٹھالیا۔

"شاید بھوک لگی ہے۔ بیگم صاحبہ آپ اسے پکڑیں تو میں اس کا فیڈر بنالوں۔"

"نہیں اسے کاٹ میں ڈال دو۔" آپا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نسرین کو کہو فیڈر بنادے۔" آپا بچے کو لے کر باہر چلی گئی۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر ہولے ہولے چلتی ہوئی کاٹ کے پاس آئی۔ ننھے سے تکیے پر ننھا سا گڑھا تھا۔ وہ تکیے پر ہاتھ پھیرنے لگی پھر یک دم مڑی اور دروازے کے پاس سے آواز دی۔

"نسرین' خان کو بھیجو۔" خان چوکیدار تھا۔ کچھ ہی دیر بعد خان اندر آیا تھا۔

"جی بیگم صاحب۔"

"خان یہ کاٹ دوسرے کمرے میں بھجوانی ہے۔"

"جی میں قاسم کو لے کر آتا ہوں۔" کچھ دیر بعد ہی اس نے کاٹ گیسٹ روم میں رکھوادی تھی۔۔۔ جہاں چند دنوں سے آپا رہ رہی تھی۔ آپا کو احسن لایا تھا۔

"نسرین' زرینہ کو کہو کہ میں نے کاٹ گیسٹ روم میں رکھوادی ہے۔ وہ بچہ اپنے پاس ہی رکھے۔ میرے پاس مت لایا کرے۔" نسرین کو کہہ کر وہ اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گئی تھی۔

"یہ کیا ہوا تھا۔ اس سے تو اچھا تھا وہ ابارشن کروالیتی۔" وہ پھر رو رہی تھی۔

"یہ بچہ سزا ہے یا آزمائش۔ اور احسن کہتا ہے کہ میں شکر ادا کروں کس بات پر سزا پر یا آزمائش پر۔ لوگ تو مجھ پر ہنسیں گے۔" اس کا دل جیسے پتھر ہو رہا تھا اور اس میں اپنے بچے کے لیے کہیں کوئی گداز نہیں تھا۔ بچہ جسے نو ماہ تک اس نے اپنے پیٹ میں رکھا تھا وہ اسے بد دعا دے رہی تھی۔

"اللہ کرے مر جائے وہ اس سے پہلے کہ کوئی اسے دیکھے اور جانے کہ ثمرین احسن نے ایسے بچے کو جنم دیا ہے۔" آنسو تکیہ بھگو رہے تھے تب ہی فون کی بیل ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل پر پڑے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"آپا کیسی ہیں۔"

دوسری طرف سبین تھیں۔

"گھر آنا مبارک ہو اور وہ کیسا ہے چھوٹو' یہ احسن بھائی انہوں نے مجال ہے جو کچھ بتایا ہو۔ کہہ رہے تھے آکر دیکھ لینا۔" وہ بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

"ابھی آخری پیپر دے کر آئی ہوں اور اب بازار جارہی ہوں۔ یار کیا کروں امی میرے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں کچھ چیزیں ابھی لینی ہیں نا تم سب کے لیے' کافی کچھ تو پہلے ہی لے لیا ہے۔"

"کیا کرنا ہے سب' اتنا کچھ تو ہے۔"

"وہ تو آپ نے لیا ہے ہم نے بھی تو کچھ لینا ہے اور احسن بھائی کی امی نے تو پورا جہیز تیار کیا ہوا ہے۔ بڑا خوش قسمت ہے آپ کا بیٹا... وہ بے چاری تو تڑپ رہی ہیں اسے دیکھنے کو' لیکن ان کا پلاسٹر ابھی ایک ہفتے بعد کھلنا ہے۔ احسن بھائی نے بتایا تھا نا آپ کو کہ جس روز آپ اسپتال گئی تھیں اسی روز ان کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔" سبین کی وہی پرانی عادت بہت بولنے کی جو اسے ہمیشہ اچھی لگتی تھی کہ محلے بھر کی خبریں سنا دیتی تھی آج بری لگ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ وہ فون بند کردے۔

"اچھا آپ بتائیں نا کس پر گیا ہے آپ پر یا احسن بھائی پر۔" اس کا دل جیسے کٹنے لگا۔

"کہا تو ہے احسن نے خود دیکھ لینا۔"

"آپ دونوں بھی نا۔" دوسری طرف سے سبین نے دانت پیسے تھے۔

"خیر کل آتو رہے ہیں دیکھ لیں گے۔ اچھا امی بلا رہی ہیں۔" اور ثمرین نے شکر کیا تھا اس نے فون خود ہی بند کردیا تھا۔ اب پھر وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ کل جب سبین اور امی اسے دیکھیں گی اور سبین کیا کہے گی... کتنی ہرٹ ہوگی نا وہ بھی میری طرح... اور پھر کتنی ہی دیر وہ یونہی ہاتھ گود میں دھرے خالی الذہن سی بیٹھی رہی۔ پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی اور تھک ہار کر وہ ایم فائیو کی گولی کھا کر لیٹ گئی' بہت دیر سونے کے بعد اٹھی تو بھوک محسوس ہوئی۔ اس نے انٹر کام پر نسرین کو اندر آنے کے لیے کہا۔

"مجھے کچھ کھانے کو دو۔" اس نے نسرین کے اندر آنے پر کہا اور پھر احسن کا پوچھا۔

"صاحب نہیں آئے باجی۔ ان کا فون آیا تھا وہ آج رات نہیں آئیں گے۔ کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ بہت برا حادثہ ہوا ہے جی بہت زخمی ہیں۔ ٹی وی پر بھی بتا رہے تھے جی۔"

"جب فون آیا تھا تو تم مجھے جگا دیتیں۔"

"انہوں نے منع کیا تھا کہ آپ سو رہی ہیں تو نہ جگاؤں۔ وہ کہہ رہے تھے وہ خود فون کرلیں گے دوبارہ۔"

"اچھا پہلے مجھے دودھ گرم کرکے دے دو پھر ایک سلائس اور تھوڑا سا سوپ۔"

"میں نے تازہ یخنی بنائی ہے دیسی چوزے کی صاحب نے کہا تھا۔ وہ لے آؤں۔" اس نے سر ہلا دیا اور نسرین چلی گئی۔ وہ کچھ دیر تو یونہی بیٹھی حادثے کے متعلق سوچتی رہی پھر اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ وہ

باہر آئی تو نسرین دودھ رکھ کر جاچکی تھی۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے کپ اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا اور سامنے دیوار کی طرف دیکھا۔۔۔ خوب صورت بچوں کے تین پوسٹر جو سیمن نے لگائے تھے۔

"حالانکہ ان کی ضرورت نہیں' آپ احسن بھائی کو ہی دیکھ لیا کریں۔" سیمن ہنسی تھی۔ وہ دودھ پیتے ہوئے ان پوسٹروں کو دیکھتی رہی۔ پھر کپ ٹیبل پر رکھ کر وہ کھڑی ہوگئی اور جب نسرین اس کے لیے یخنی اور سلائس لے کر آئی تو وہ تینوں پوسٹر اتار کر ان کے ٹکڑے کررہی تھی۔ نسرین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہائے کتنے پیارے بچے تھے۔ آپ نے ایسے ہی ٹوٹے ٹوٹے کردیے۔ مجھے دے دیتیں۔"

"یہ گند اٹھاؤ اور دفع ہوجاؤ۔" اس نے بلاوجہ ہی اسے ڈانٹا۔ وہ کبھی ملازموں کو خفا نہیں ہوتی تھی اور نسرین کا تو بہت ہی خیال رکھتی تھی۔ یتیم بچی تھی اور شادی کے بعد جب وہ احسن کے ساتھ یہاں جہلم آئی تھی۔ تب سے ہی وہ اس کے پاس تھی۔ نسرین نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ دیوار کی طرف دیکھ رہی تھی خالی دیوار جیسے ایک اور پوسٹر سے سج گئی تھی۔ انڈے کے چھلکے جیسا بغیر بالوں کے سر پیشانی پر اخروٹ برابر رسولی اور کٹا ہوا ہونٹ۔

"نہیں۔" اس نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔ نسرین پتا نہیں کب چلی گئی تھی۔ ٹیبل پر یخنی پڑی تھی اور بھوک جیسے مرگئی تھی۔ اس نے بے دلی سے دو تین نوالے لیے بچے کی رونے کی آواز آرہی تھی جو آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی پھر آواز بند ہوگئی اور ساتھ ہی نسرین دستک دے کر اندر آگئی اس کے ہاتھوں میں کمبل میں لپٹا بچہ تھا۔

"جاگ گیا تھا جی رو رہا تھا۔" اس نے بچہ بیڈ پر لٹادیا۔ بچہ اچھی طرح پیک تھا۔

"وہ کہاں ہے۔۔۔ زرینہ۔" وہ بچے کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی اس کی نظریں نسرین پر تھیں۔

"جی وہ گھر چلی گئی۔ اس کا بچہ گر گیا تھا جی چھت سے۔ اس نے صاحب کو بتادیا تھا صبح آجائے گی۔ ماں ہے نہ جی صبر نہیں کرسکی ورنہ بچے کی دادی نے تو منع کیا تھا۔ اس وقت رات میں نہ آئے۔"

بچہ بیڈ پر دائیں طرف لپٹا ہوا پڑا تھا اس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اور وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ زرینہ چلی گئی تھی اور بچہ آج رات اسے ہی سنبھالنا تھا۔ نسرین' لیکن نہیں نسرین تو ابھی خود بچی ہے۔ بھلا بچے کو وہ کیسے سنبھالے گی اور رات کو وہ خود تو لاؤنج میں کارپٹ پر گدا بچھا کر سوجاتی تھی تو کیا بچے کو بھی۔۔۔ اور بچے کا نام۔۔۔ اس کا دھیان خودبخود ہی نام کی طرف چلا گیا تھا۔ انہوں نے کتنے ہی نام سوچ رکھے تھے۔ اگر لڑکا ہوا تو یہ نام رکھیں گے اور لڑکی ہوئی تو یہ اور اب پتا نہیں احسن نے کیا نام لکھوایا تھا اس نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ ان دس دنوں میں ایک بار بھی نہیں پوچھا تھا۔ نسرین دودھ بنا کرلے آئی تھی۔

"سورہا ہے۔" اس نے جھک کر بچے کو دیکھا تب ہی وہ نیند میں کسمسایا۔

"نسرین بیٹا تم ذرا اسے دودھ پلا دو۔ دودھ کا ٹائم ہوگیا ہے نا۔ یہاں ہی بیٹھ جاؤ۔ میں ذرا باہر جارہی ہوں کھلی ہوا میں دل گھبرا رہا ہے اور اس کا ڈائپر وغیرہ بھی چینج کردینا۔" نسرین نے سرہلا دیا تھا اور بڑی خوشی خوشی بچے کو گود میں لے کر آلتی پالتی مار کر کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آگئی اور برآمدے میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگی۔ آسمان بالکل تاریک تھا اور لان میں درختوں کے پتے تیز ہوا سے شور مچا رہے تھے۔ ہوا میں بہت خنکی تھی شاید بارش ہونے والی ہے۔ وہ کچھ دیر یوں ہی برآمدے میں کھڑی رہی' لیکن کچھ دیر بعد ہی اسے کمر میں درد کا احساس ہوا۔ اسٹچز میں کھنچاؤ سا محسوس ہورہا تھا۔ ابھی دس دن ہی تو ہوئے تھے اسے لگا جیسے وہ مزید کھڑی نہ رہ سکے گی وہ اندر آکر لاؤنج میں صوفے پر گر سی گئی۔ نسرین بیڈ روم سے باہر آئی۔

"سو گیا ہے وہ دودھ پیتے ہوئے شرٹ گندی ہوگئی تھی۔ میں نے وہ بھی بدل دی ہے۔" نسرین نے آکر

بتایا۔
"وکتنا کام رہتا ہے تمہارا اور تم نے کھانا کھالیا۔"
"برتن دھونے ہیں اور کچن سمیٹنا ہے اور کھانا ابھی نہیں کھایا۔"
"پہلے کھانا کھالو اور یہ ریموٹ مجھے دے دو۔"
"جی وہ بے بی اندر اکیلا ہے۔ ڈر جائے گا میری اماں کہتی تھیں چھوٹے بچے اکیلے میں ڈر جاتے ہیں۔ آپ اندر۔۔۔"
"تم جاؤ اپنا کام ختم کرو اور مجھے نصیحتیں مت کرو۔" اسے غصہ آیا تھا۔ نسرین سر جھکا کر کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ کچھ دیر ٹی وی دیکھتی رہی ٹی وی پر حادثے کی خبر ہی دکھائی جارہی تھی۔ وہ تھک گئی تھی اور لیٹنا چاہتی تھی' لیکن وہ اپنے بیڈ روم میں بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔ جہاں وہ تھا اور وہ اس سے ڈر رہی تھی اسے دیکھنے سے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا چہرہ مختلف شکلوں میں بار بار اس کے سامنے آرہا تھا کٹے پھٹے ہونٹوں سے جھانکتے مسوڑھے اور ٹپکتی رال۔۔۔ ناک کا بھیانک سوراخ' بچے ہنستے ہوئے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ اس نے جھری جھری سی لی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور روم میں آگئی۔ بچہ بیڈ پر اس طرح لیٹا پڑا تھا نسرین نے اس کے ارد گرد تکیے رکھ دیے تھے۔ لگتا ہے نسرین کو اماں نے بچے سنبھالنے میں بھی ایکسپرٹ کردیا تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔
"آج نسرین سے کہوں گی ادھر میرے کمرے میں ہی سوجائے۔" وہ بیڈ پر بیٹھنے کے بجائے صوفہ چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے صبح سے اب تک کوئی میڈیسن نہیں لی تھیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد درد کی لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ اس نے سر چیئر کی پشت پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ تب ہی فون کی بیل ہوئی تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر فون اٹینڈ کیا۔
"کیسی ہو جانو۔" دوسری طرف احسن تھا۔ اس کی آواز سے تھکاوٹ نمایاں تھی۔
"فارغ ہوگئے ہیں آپ۔" اس نے بے تابی سے پوچھا۔
"نہیں۔۔۔ بس چائے پینے کے لیے آیا تھا۔ بہت بڑا حادثہ ہوا ہے چالیس پچاس بندے زخمی ہیں دس پندرہ مرگئے ہیں۔ تم ٹھیک ہونا۔"
"ہاں۔"
"میڈیسن لے لی تھیں۔ زرینہ کے جانے سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔ یوں بھی کل آنٹی اور سبین آرہی ہیں۔ سنبھال لیں گی۔ او کے ڈیئر اپنا خیال رکھنا۔" فون بند ہوگیا تھا' لیکن وہ ریسیور ہاتھوں میں تھامے کھڑی تھی۔
کافی دیر بعد اس نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کمر میں ٹیس سی اٹھی۔ تو وہ لیٹ گئی۔
نسرین پتا نہیں کب کام سے فارغ ہوئی تھی اور کب لاؤنج میں اپنا گدا بچھا کر سوگئی تھی اسے خبر نہیں ہوئی تھی بچہ رونے لگا تھا اس نے چوسنی اس کے منہ میں دے دی اس نے کوشش کی تھی کہ وہ اسے نہ دیکھے لیکن اس کی نظر پھر بھی اس کے کٹے ہوئے ہونٹوں پر پڑ گئی تھی۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔
"نسرین۔" وہ اس کو آواز دیتی ہوئی اٹھی دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ نسرین بے فکری کی نیند سو رہی تھی۔
"نسرین۔" اس نے پھر آواز دی اور اس کی نظر وال کلاک پر پڑی ایک بج رہا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر وہ اندر آئی اور بچے کو اٹھالیا۔ بچہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے ٹیبل کی طرف دیکھا۔ نسرین نے سونے سے پہلے اس کے دونوں فیڈر دھو کر بوائل کر کے رکھ دیے تھے۔ پھر اس کی نظر باسکٹ پر پڑی جو غالباً" نسرین نے ہی گیسٹ روم سے لا کر یہاں رکھی تھی۔ اس باسکٹ میں بچے کی ضرورت کا سامان تھا۔ اس نے دودھ کا ڈبا اور فیڈر بھی باسکٹ میں رکھ دیے اور لاؤنج میں کی ریک سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔۔۔ اور اندرونی گیٹ کھول کر پورچ کی طرف آئی۔ باسکٹ نیچے رکھ کر اس نے گاڑی کا لاک کھولا۔ وہ بچے کو ایک ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھی۔ اس نے بچے کو پچھلی سیٹ پر لٹایا اور پھر

کسی خیال سے وہ مڑ کر اندر گئی اب اس نے کیری کاٹ بھی لے لی تھی اور بچے کو اس میں لٹا کر اس نے اسٹریپ لگائے۔ باسکٹ بھی رکھی۔ اور پھر گیٹ کا تالا کھولا۔ قاسم اور خان اپنے کوارٹر میں سو رہے تھے..... گاڑی باہر نکال کر اس نے اتر کر گیٹ بند کیا..... سنجز میں کھنچاؤ بھی تھا اور درد بھی..... اس کا ذہن بالکل خالی تھا وہ کچھ نہیں سوچ رہی تھی لیکن وہ گاڑی کو دوڑا رہی تھی۔ وہ کہاں جا رہی تھی..... اس کے ذہن میں ابھی کچھ واضح نہیں تھا۔ باہر جھکڑ چل رہے تھے۔ شاید آندھی آنے والی تھی..... پھر بانی کی موٹی موٹی بوندیں بھی گرنے لگیں اور ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"موحد عثمان نے حیرت سے اپنے سامنے کھڑی امل شفیق کو دیکھا۔ وہ آج بلیک جینز پر لیدر کا ہاف کوٹ پہنے ہوئے تھی اور سر پر ٹوپی کے بجائے سفید ڈاٹس والا سیاہ اسکارف تھا اور وہ اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے امل شفیق کے متعلق تین چار بار سوچا تو ضرور تھا یا شاید تین چار سے زیادہ بار لیکن اس سے دوبارہ ملنے کی اسے ہرگز توقع نہیں تھی حالانکہ آج صبح جب وہ بابا کو اس کے متعلق بتا رہا تھا تو اسے دل میں تھوڑا سا افسوس ضرور ہوا تھا کہ اس مخلص سی لڑکی کو اس نے غلط نمبر دیا تھا۔

"تم مسز امیت کے مہمان ہو۔" وہ باڑھ کے دوسری طرف کھڑی تھی۔ دراصل یہ ایک ہی گھر کے دو پورشن تھے۔ دونوں پورشنز کے گیٹ اور عمارت بالکل الگ ہی تھی لیکن لان کو صرف یہ خوب صورت باڑھ الگ کرتی تھی بنانے والے نے جیسے انہیں کرائے پر دینے کی غرض سے بنایا تھا۔ موحد کے کہنے پر عثمان صاحب کل شام آئے تھے اور اسے گھر لے دیا تھا..... وہ شام کو ہی اپنا سامان اٹھا کر لے آیا تھا..... سعد واپس آتا تو وہ بھی آجاتا اس کی سعد سے بات ہو گئی تھی۔ وہ شارجہ گیا ہوا تھا۔ اپنے والدین سے ملنے۔ اس کی والدہ کی طبیعت کچھ خراب تھی اس لیے انہوں نے اسے بلا لیا تھا ورنہ وہ لمبی چھٹیوں میں ہی جاتا تھا۔

تین سال پہلے جب وہ برمنگھم سے آیا تھا تو اس کی ملاقات پہلے دن ہی سعد سے ہوئی تھی۔ سعد فیصل آباد پاکستان کا رہنے والا تھا لیکن اس کے والد شارجہ میں جاب کرتے تھے۔ وہ پہلے سال ایک ہی ہوسٹل میں رہتے تھے۔ دوسرے سال دونوں نے ایک اپارٹمنٹ لے لیا تھا اور اب تیسرے سال پھر وہ ہوسٹل میں تھے۔ لیکن اس ہوسٹل میں سوائے سعد کے اور اس کے کوئی اور مسلمان نہیں تھا۔ جبکہ پہلے والے ہوسٹل میں مصری، یمنی، اردنی، انڈین یا پاکستانی لڑکے بھی تھے۔ پہلے ہوسٹل کا نام اور ریناڈو تھا دوسرا ہولنز تھا۔

"تم مسز امیت سے ملنے آئے ہو۔" تھوڑی سے ردوبدل کے ساتھ اس نے اپنی بات دہرائی۔

"نہیں میں نیا کرایہ دار ہوں۔"

"اوہ گڈ۔" خوشی اس کی سبز آنکھوں میں واضح طور پر نظر آئی تھی۔ اور پھر اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا تھا۔ "میں بھی کبھی بالکل بھلکڑ ہو جاتی ہوں حالانکہ بابا نے بتایا بھی تھا کہ مسز امیت لندن جا رہی ہیں اور ساتھ والا گھر خالی ہو رہا ہے..... اور یہ مسز امیت۔ جاتے ہوئے ملی بھی نہیں۔ آخر کو انڈین تھیں نا ہماری ازلی دشمن۔" وہ ہنسی۔

"چلو اچھا ہے اب تمہیں صبح صبح بھاگ کر پارک میں نہیں آنا پڑے گا۔ شور وغل سے گھبرا کر۔"

"خیر وہاں ہمیشہ شور وغل نہیں ہوتا وہ سب نیو ایئر نائٹ کی وجہ سے تھا۔ لیکن میرا ارادہ تھا شروع سے کہ ہم کوئی الگ اپارٹمنٹ لیں گے۔"

"تم اکیلے رہو گے یہاں۔"

"میرا ایک دوست ہے سعد وہ بھی رہے گا۔"

"کیسا ہے۔" وہ باڑ کے اور قریب ہوئی تھی۔

"اچھا ہے۔" موحد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"لڑاکا تو نہیں ہے۔" وہ اس کے لان میں ادھر ادھر نظر دوڑا رہی تھی۔

"نہیں تو۔ وہ بے حد سنجیدہ اور کم گو سا ہے۔"

"تم سے بھی زیادہ۔" وہ پھر ہنسی تھی اور موحد کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ اس بات کا کیا جواب دے۔ کیونکہ آج سے پہلے بھی کسی نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ سنجیدہ اور کم گو ہے۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ وہ کافی باتونی ہے۔ لیکن شاید اس لڑکی سے تو کم ہی ہوگا۔

"تم کب آئے ہو اودھر۔" اس کا جواب سنے بغیر اس نے اگلا سوال داغ دیا تھا۔

"رات کو۔ بابا کے دوست نے یہ جگہ دیکھ کر لینڈ لیڈی سے بات کرلی تھی پہلے۔ رات بابا آئے تو ہم آگئے۔ بابا آج واپس چلے جائیں گے یا پھر کل۔"

"تمہارے بابا کہاں ہیں۔" وہ اشتیاق سے تھوڑا سا آگے جھکی۔

"اور ماما۔" پھر یک دم جیسے اسے یاد آگیا کہ اس کی ماما تو اسپتال میں ہیں اور اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا۔

"سوری۔۔۔ مجھے خیال نہیں رہا۔"

"بابا اندر آرام کررہے ہیں۔ میں ذرا گروسری کے لیے مانچسٹر اسٹور تک جارہا تھا۔"

"تو چلو میں بھی جارہی ہوں۔ میں باہر گیٹ پر تمہارا انتظار کرتی ہوں۔" وہ باڑھ کے پاس سے ہٹ کر شاید گھر کے اندر کی طرف جارہی تھی۔ "عجب چیکو لڑکی ہے۔" اس نے سوچا۔ اور یہ ساتھ والے گھر میں رہتی ہے تو خوامخواہ وقت بے وقت ڈسٹرب کرے گی خیر میں بھی صاف صاف کہہ دوں کہ مجھے فضول وقت ضائع کرنا ہرگز پسند نہیں ہے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور باہر نکل آیا وہ اس سے پہلے ہی گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔

"تم پہلے کہاں سے گروسری لیتے تھے۔؟"

"یہ کام ہمیشہ سعد کرتا تھا۔ میں تو بس آج ہی جارہا ہوں۔۔۔ میں نے سوچا بابا کے لیے کچھ بنالوں۔"

"اور جب سعد نہیں ہوتا تو پھر کیا کرتے ہو۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"پھر ایسے ہی کام چلا لیتا ہوں۔ ڈبل روٹی کے ساتھ انڈے، آلو کچھ بھی جو پکا پکایا مل جائے۔ ویسے میں سب کچھ بہت اچھا پکا لیتا ہوں۔" اس نے کچھ اس انداز میں کہا کہ امل ایک دم ہنس پڑی۔

"اس میں بھلا ہنسنے کی کیا بات ہے کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں وہ ناراض ہوا۔" جب ماما اسپتال چلی گئیں تو میں بابا کے ساتھ کچن میں ان کی مدد کرتا تھا۔ بابا ایسا تو نہیں پکا سکتے تھے جیسا ماما لیکن پھر بھی گزارہ ہوجاتا تھا۔۔۔ اور صرف دو سال بعد میں نے بابا کی مدد کے بغیر ہی بہترین ڈنر تیار کیا تھا۔" اس کے لہجے میں فخر سا تھا۔ اب کے امل نے اپنی مسکراہٹ کو چھپایا تھا۔

"سوری تمہیں میرا ہنسنا برا لگا۔" دراصل مجھے یوں لگا جیسے کوئی سگھڑ لڑکی اپنے سگھڑاپے کی تعریف کررہی ہے۔"

اس نے برا سا منہ بنایا۔ تاہم اب وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"کیا ناراض ہوگئے ہو؟" وہ بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں بھلا۔۔۔ میرا تم سے ناراضی کا کیا رشتہ بنتا ہے۔" ایک لمحہ کو وہ چپ سی کرگئی۔

"ہاں ٹھیک ہے لیکن اگین سوری۔ دراصل۔ شامی بھی بعض اوقات میری ہنسی سے چڑجاتا تھا۔ میں کبھی کبھی یوں ہی سوچے سمجھے بغیر ہنس پڑتی ہوں۔" وہ وضاحت کررہی تھی لیکن وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"وہ شامی۔۔۔ ہشام اس روز میں نے تمہیں اس کے متعلق بتایا تھا نا۔۔۔ میرے بڑے ماموں کا بیٹا ہے۔ وہ اگرچہ میرا ہم عمر ہے لیکن وہاں پاکستان میں وہ ہمیشہ میرا ایسے خیال رکھتا تھا جیسے وہ مجھ سے سو سال بڑا ہو۔۔۔" اس کے ہونٹ ذرا سا کھل کر بند ہوگئے تھے۔

"تمہیں کیا بتاؤں موحد عثمان کہ آج کل وہ کتنا پریشان ہے۔۔۔ میں اس سے ناراض تھی لیکن اب نہیں ہوں۔ یوں بھی بہت زیادہ دن تو میں اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتی۔ اس وقت اسے میری اتنی ضرورت ہے اور میں یہاں ہوں اور میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں

کر سکتی۔"

"تم اتنا کر سکتی ہو کہ ٹکٹ کنساؤ اور کل کی کسی فلائٹ سے واپس چلی جاؤ۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے موحد عثمان نے جل کر سوچا۔

"پتا ہے اس نے ہر مشکل لمحے میں میرا ساتھ دیا میرے بابا تو یہاں تھے نا اور جب دادی بہت۔ زیادہ بیمار ہوئی تھیں، تو تب وہ ہی تھا جو دن رات اسپتال میں میرے ساتھ رہا تھا۔ زویا پھپھو تو تین دن بعد حیدر آباد سے آئی تھیں۔" اس کی سبز آنکھوں میں اداسی چھا گئی تھی اور کچھ دیر کے لیے وہ چپ کر گئی تھی۔

"توبہ یہ لڑکی کس قدر بولتی ہے۔" موحد عثمان نے سوچا تاہم ازراہ مروت پوچھ لیا۔

"تمہارا یہ ماموں زاد آخر اتنا پریشان کیوں ہے۔"

"وہ۔" اس نے چلتے چلتے رک کر موحد عثمان کی طرف دیکھا۔ اور موحد کو پتا نہیں کیوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں لحہ بھر کے لیے چمک پیدا ہوئی ہو۔ جیسے موحد عثمان کا شامی کی پریشانی کے متعلق پوچھنا اسے اچھا لگا ہو۔

"دراصل۔" اس نے ایک لحہ کے لیے سوچا کہ موحد عثمان کو یہ بات بتانی چاہیے یا نہیں۔ شامی نے خاص طور پر اسے منع کیا تھا کہ وہ کسی سے حتی کہ اپنے بابا کو بھی اس کے متعلق نہیں بتائے گی۔ اور اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن یہ تو موحد عثمان تھا جو نہ شامی کو جانتا تھا نہ اس کی فیملی کو اور جسے شاید کبھی پاکستان بھی نہیں جانا تھا تو اس سے شامی کا دکھ شیئر کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ شامی کا دکھ جو دراصل اس کا بھی دکھ تھا۔ وہ بھی یہاں اتنی ہی پریشان ہوئی تھی۔ جتنا شامی پریشان تھا۔ اور کل شامی سے بات کرنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک مامی کا خیال کر کے پریشان ہوتی رہی تھی۔ شفیق احمد نے پوچھا بھی تھا لیکن وہ ٹال گئی تھی۔ اب جب شامی نے بابا سے بھی بات کرنے کو منع کیا تھا تو وہ کیسے انہیں بتا سکتی تھی لیکن موحد عثمان۔

"دراصل۔" وہ وہاں ہی گرین بیلٹ کے پاس کھڑی ہو کر اسے بتانے لگی۔ اور موحد عثمان حیرت سے اس کی بات سننے لگا۔

"نہیں۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی باپ اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے کہ ماں سے چوری۔" اسے ہشام اور اس کی والدہ کی پریشانی کا خیال افسردہ کر گیا۔

"نہیں خیر میرے ماموں ظالم تو نہیں ہیں۔ آخر انیس سال تک تو۔" اس نے فوراً" ہی دفاع کیا تھا۔

"اسے سنبھالنا اب مشکل ہو گیا تھا۔ بعض اوقات وہ سارے کپڑے پھاڑ دیتا تھا۔ وہ شاہ دولہ تو ہے ہی لیکن اسے C.P کی بیماری بھی تھی۔ مامی اسے کبھی جانے نہ دیتیں اس لیے ماموں انہیں بتائے بغیر۔" وہ سانس لینے کو رکی تھی۔

"شاہ دولہ۔ سمجھتے ہو نا۔ چھوٹے سر والے۔"

"نہیں۔" موحد نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"ہاں شاید یہاں شاہ دولے۔ نہیں ہوتے۔ وہاں پاکستان میں کئی فیملیز ایسے بچوں کو درگاہ پر چھوڑ دیتی ہیں۔ لیکن سب نہیں۔"

"اپنے بچوں کو۔" وہ اور بھی حیران ہوا تھا۔

"ہاں۔"

"لیکن مامی۔ میرا مطلب ہے شامی کی ماما انہوں نے اپنے بچوں کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ پتا ہے موحد کبھی تم انہیں دیکھو تو تمہیں لگے گا انہیں محبت کے ضمیر سے گوندھا گیا ہے۔ سراپا محبت و شفقت۔ ہر لحہ اپنے بچوں پر نثار ہوتی، قربان ہوتی۔ اور ان کی حالت کیا ہو گی میں اندازہ کر سکتی ہوں۔ میں یہاں بیٹھ کر بھی ان کے آنسوؤں کو محسوس کر سکتی ہوں۔ شامی مجھے نہ بھی بتاتا تب بھی۔ لیکن شامی نے مجھے بتایا کہ وہ ساری ساری رات سارا سارا دن عفان کے کمرے میں بیٹھی روتی رہتی ہیں۔ ایسے کہ کلیجہ پھٹتا ہے۔ ایسی ہوتی ہیں نا مائیں۔" اور موحد کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہے اس نے اس ہنستی مسکراتی لڑکی کو دیکھا جس کی سبز آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند تھی اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے افسوس ہوا کہ اس نے ہشام کی پریشانی کا پوچھ کر اسے اداس کیوں کیا۔

"چلیں۔" موحد نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔ بلاشبہ اس کی سبز آنکھوں میں مقناطیسیت تھی اور صبیح چہرے پر بلا کی کشش۔

"ہاں چلیں۔" اب دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ موحد نے دو تین بار اس کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش تھی شاید وہ ہشام کے متعلق سوچ رہی تھی۔ یکایک اس نے اپنے دل میں اس لڑکے ہشام کے لیے عجیب سا جذبہ محسوس کیا' کچھ حسد سے ملتا جلتا سا اور پھر وہ آپ ہی شرمندہ ہو گیا اور اس نے دل ہی دل میں خود کو سرزنش کی' وہ اس کا کزن ہے اور اگر وہ اس کے لیے پریشان ہو رہی ہے تو مجھے کیا۔ اس نے کندھے اچکائے۔

"میں آج دوسری بار اس سے ملا ہوں۔ اور یہ خود ہی زبردستی۔ خیر۔ پتا نہیں وہ کیسا ہو گا اس کا کزن اس کی طرح خوب صورت اور ہینڈسم سا' ظاہر ہے اس کا ماموں زاد جو ہے۔" وہ ایک بار پھر ہشام کے متعلق سوچ رہا تھا۔ گروسری خرید کر وہ واپس آئے تو گھر کے گیٹ پر رک کر اس نے موحد کی طرف دیکھا۔

"میں شام کو تمہارے بابا سے ملنے آؤں گی۔"

"کیا اماؤں کی طرح تمہیں اباؤں سے بھی ملنے کا شوق ہے۔" وہ خوش دلی سے ہنسا تھا۔ اس کا موڈ کافی اچھا ہو گیا تھا۔ سامان خریدتے ہوئے وہ مسلسل اپنی رائے دیتی رہی تھی بلکہ کچھ ایسی چیزیں بھی خرید لی تھیں جو وہ خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے خریداری میں مدد کی تھی بلکہ دو چار ڈشز کی ریسیپی بھی بتا دی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ موحد کو ایک ریسیپی بھی یاد نہیں رہی تھی۔

"اماں اور ابا۔۔۔ دونوں ہی بچوں کے لیے اہم ہوتے ہیں اور دونوں کے بغیر ہی گھر ویران اور خالی ہو جاتے ہیں اور یہ بات مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے موحد عثمان کہ ماں تو میں نے دیکھی ہی نہیں اور باپ میری کم عمری میں ہی مجھ سے دور چلا گیا تھا۔۔۔ اور سالوں بعد کہیں۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ چھپاک سے اپنے گیٹ میں گھس گئی تھی۔ موحد کچھ دیر وہاں ہی کھڑا رہا

اسے اپنی خاموش زندگی میں یہ ہلچل اچھی لگی تھی انوکھی سی۔ اور یہ لڑکی' یہ بھی کچھ انوکھی ہی تھی۔ اتنا بولنے سے اس کے جبڑے بھی ضرور تھک جاتے ہوں گے۔ وہ لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ لیے گیٹ کھول کر اندر چلا گیا۔ کچن کی سلیب پر سارا سامان رکھ کر وہ بیڈ روم میں آیا تو عثمان صاحب تیار کھڑے تھے۔

"ارے بابا آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"ہاں یار اسپتال سے فون آ گیا ہے۔ میرا ایک پرانا پیشنٹ ہے اسے میری ضرورت ہے۔" وہ ایک دم اداس ہوا تھا۔

"لیکن میں نے تو آپ سے کہا تھا دو تین روز رہیں میرے پاس۔"

"ہاں میں نے بھی سوچا تھا لیکن یار کیا کروں۔ تم تو خود کہہ رہے تھے برمنگھم آنے کو تو' چلو تیار ہو جاؤ چلتے ہیں اکٹھے۔"

"نہیں میں آج نہیں جا سکتا بابا مجھے کام ہے کچھ۔ ابھی کچھ سامان ہوسٹل میں بھی پڑا ہوا ہے۔ میں کل یا پرسوں آ جاؤں گا۔"

"اوکے میری جان۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال بکھیرے۔

"بابا۔۔۔ یہ ساتھ والے گھر میں پاکستانی فیملی ہے باپ اور بیٹی۔۔۔ وہی لڑکی امل کے متعلق کل میں نے آپ کو بتایا تھا۔۔۔ وہ اور اس کے پاپا۔۔۔"

"گڈ۔۔۔ پھر تو اچھی بات ہے اگر میرے پاس وقت ہوتا تو ضرور ان سے ملتا' چلو پھر کبھی سہی۔" وہ چلے گئے اور وہ بیڈ روم سے اٹھ کر لاؤنج میں آ بیٹھا تھا۔ کچھ دیر تو وہ یوں ہی بیٹھا رہا خاموش۔۔۔ بابا اندر تھے بیڈ روم میں پھر بھی گھر کتنا بھرا بھرا لگ رہا تھا۔ صحیح تو کہہ رہی ہے امل۔ گھر کیسے خالی اور ویران ہو جاتے ہیں ان دو ہستیوں کے بغیر۔ شوخ و شریر تو وہ کبھی بھی نہیں رہا تھا بچپن میں بھی نہیں لیکن ماما کے کومے میں چلے جانے کے بعد وہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ جب تک وہ وہاں تھا برمنگھم میں بابا کے ساتھ تو وہ بہت توجہ دیتے تھے اس پر۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس خالی گھر میں کوئی

آجائے اور بہت بولے۔ وہ خواہ مخواہ ہی ہوسٹل چھوڑ کر آگیا وہاں زندگی کا احساس تو ہوتا تھا۔ باہر کوریڈور میں سے گزرتے طالب علموں کے قدموں کی چاپ ہنسی، قہقہے، باتیں، ہوسٹل کے 6 فلور تھے اور طلبا بھی اتنے ہی تھے وہ بابا کے جانے سے یک دم بے حد قنوطیت محسوس کررہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ اٹھا اور لیپ ٹاپ آن کرکے اپنا ادھورا کام کرنے لگا۔ پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی تھی جب کسی نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا۔ تو چونک اٹھا۔ سامنے وہی کھڑی تھی امل شفیق بے حد فریش اور تروتازہ سی۔

"تم۔" اسے یوں اچانک اپنے لاؤنج میں کھڑے دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی۔

"سوری۔ گیٹ کھلا تھا تو میں آگئی۔ پہلے بیل دی تھی لیکن تمہاری ڈور بیل خراب ہے اسے ٹھیک کروالو۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ مسز امیت نے جان بوجھ کر ڈور بیل خراب کردی تھی۔ وہ ایسی ہی تھیں گڑبڑ گھٹالا قسم کی۔"

"گڑبڑ گھٹالا۔" اس نے امل کی طرف دیکھا۔

"مطلب کہ ذرا خطرناک پراسرار سی گڑبڑ کرنے والی۔"

"بیٹھو۔ بیٹھ جاؤ نا۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر کتابوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

امل نے ایک ہاتھ سے کتابیں ایک طرف کیں اور بیٹھ گئی۔

"تم بابا سے ملنے آئی ہو لیکن بابا تو چلے گئے۔"

"کیا... تم تو کہہ رہے تھے...."

"ہاں بس جانا پڑا انہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ وہ ڈاکٹر ہیں۔"

"میں دراصل ایک اور کام سے بھی آئی تھی... یہ کہنے کہ تم اور تمہارے بابا آج ڈنر ہمارے ساتھ کریں۔ لیکن خیر اب بابا چلے گئے ہیں تو تم آجاؤ نا۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بوکھلایا۔

"لیکن میرے خیال میں تو اس کی ضرورت ہے بلکہ رواج ہے... ہمارے ہاں پاکستان میں کوئی پڑوس میں آکر رہے تو اس کے پاس کے نزدیکی گھروں میں سے ضرور انہیں دعوت دی جاتی ہے یا کھانا گھر بھجوادیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے آنے والوں کو گھر سیٹ کرنا ہوتا ہے۔ نئی جگہ۔" وہ نان اسٹاپ بولے چلی جارہی تھی۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں وہ... رات میں ہوسٹل جاؤں گا اور دوستوں کے ساتھ ڈنر کروں گا۔" اسے یوں ایک اجنبی لڑکی کے گھر ڈنر پر جانا کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"خیر... یہ تو تم بہانہ بنارہے ہو میں جانتی ہوں تمہیں کہیں نہیں جانا... مجھے اچھا لگے گا اگر تم آئے تو..." وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور ہاں مجھے دو تین سبز مرچیں دے دو تم نے لی تھیں نا۔ میرا خیال تھا گھر رہوں گی لیکن نہیں ہیں۔" وہ اٹھا وہ اس کے ساتھ ہی کچن تک آئی تھی۔

"ارے یہ سامان ابھی تک یہاں ہی پڑا ہے تم نے سمیٹا نہیں۔"

"ہاں بس وہ..." وہ اندر آگئی تھی اس نے پہلے فریج کھول کر اس کی کولنگ چیک کی۔ اور پھر سامان نکال نکال کر رکھنے لگی جو فریج میں رکھنے والی تھیں، وہ فریج میں رکھیں اور جو کیبنٹ میں رکھنی تھیں وہ وہاں رکھیں۔ وہ چپ چاپ کھڑا اسے کام کرتے دیکھتا رہا۔ دو تین بار اس نے اسے منع کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے سنی ان سنی کردی تھی۔ وہ خاموشی سے آکر لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ وہ کتنے دھڑلے سے اس کے کچن میں گھسی تھی جیسے جیسے۔ اس کا دل یک بارگی زور سے دھڑکا اور وہ کچھ حیران حیران سا اپنے دل کی کیفیات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ کافی دیر بعد باہر آئی تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں فرنچ فرائیز کی پلیٹ تھی۔ ساتھ میں کیچپ کی بوتل تھی جو اس نے امل کے کہنے پر ہی مانچسٹر اسٹور سے خریدی تھی۔

"مجھے پتا ہے تم نے لنچ بھی گول کردیا ہوگا تمہارے بابا چلے گئے اور تم نے کچھ بھی نہیں پکایا۔ ہیں نا۔"

"ہاں لیکن مجھے بھوک نہیں تھی۔ میں دراصل بزی ہوگیا تھا۔"

"خیر۔" وہ مسکرائی۔
"اب یہ کھاؤ میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔ چائے یا کافی؟"
"ہاں۔" وہ چونکا۔
"چائے ٹھیک ہے لیکن وہ میں خود بنالوں گا۔"
"لیکن وکین کو چھوڑو میری دادی کہتی ہیں کہ اگر گھر میں عورت موجود ہو تو مرد کچن میں گھسا بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔"
"ہاں لیکن یہ تمہارا گھر تو نہیں ہے تم محض دعوت دینے آئی ہو۔" وہ سٹپٹایا تھا لیکن بہرحال اسے جواب سوجھ گیا تھا۔
"ہاں تو میں کب اس گھر پر ملکیت کا دعوا کر رہی ہوں۔" وہ ہنسی تھی۔
"لیکن اس وقت تو میں یہاں ہوں نا۔" وہ اس کا جواب سنے بغیر واپس کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ حیران سا بیٹھا کچھ دیر اپنے سامنے پڑی پلیٹ کو دیکھتا رہا۔ گولڈن گولڈن خستہ فرنچ فرائیز.... اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک ٹکڑا اٹھایا.... اور پھر پلیٹ میں ایک طرف کیچپ الٹا۔ بھوک تو واقعی لگ رہی تھی۔ اس نے ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ اور جب وہ چائے لے کر آئی تو وہ پلیٹ ہاتھ میں اٹھائے بڑی رغبت سے کھا رہا تھا۔ امل نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا۔
"تم نے اپنے لیے نہیں بنائی۔"
"نہیں ایک تو اس لیے کہ میں لنچ کر کے آئی تھی.... اور کافی کا یہ بڑا مگ بھی اپنے اندر انڈیلا تھا اور دوسرا میرے پاپا اب حیران ہونے کے بعد پریشان ہونا شروع ہو گئے ہوں گے۔ پہلے تو وہ حیران ہوئے ہوں گے کہ میں پڑوس میں دعوت دینے گئی ہوں یا سمندر پار اور اب پریشان ہو رہے ہوں گے کہ کہیں پڑوس میں کوئی خطرناک لوگ تو آکر آباد نہیں ہوئے اور...."
"تم کو نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس نے برا منایا تھا۔ لیکن امل نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔
"تو میں جا رہی ہوں ڈنر پر آنا یاد رکھنا۔ اگر تم کچھ خاص کھانا چاہو مشرقی کھانا تو بتا دو ڈیسے میں یخنی پلاؤ بنا رہی ہوں مٹن کا۔"
"میری ماما بہت اچھا پلاؤ بناتی تھیں۔" بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ پھر جیسے اپنی بے اختیاری پر شرمندہ ہوا۔
"میں نے کہا نا تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں شاید نہ آسکوں۔"
"چلو کوشش کرنا آسکے تو۔" اب کے اس نے اصرار نہیں کیا تھا اور چلی گئی تھی۔ پلیٹ میں فرنچ فرائیز کے تین چار ٹکڑے ہی پڑے تھے۔ اس نے پھر پلیٹ اٹھالی اور اسی رغبت سے کھانے لگا۔

☼ ☼ ☼

ہشام گلاس ونڈو سے ناک ٹکائے باہر دیکھ رہا تھا۔ صبح سے وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی لیکن اس وقت یک دم ہی بارش میں شدت آگئی تھی اور وہ موسلا دھار برس رہی تھی۔ ہشام کچھ دیر پہلے ہی سٹنگ روم میں آیا تھا اگرچہ ابھی پانچ ہی بجے تھے لیکن باہر ایک دم اندھیرا چھا گیا تھا.... تھوڑی تھوڑی دیر بعد بجلی چمکتی اور بادل زور سے گرجتے۔ ہشام نے مفلر اچھی طرح اپنے سر اور کانوں کے گرد لپیٹا اور پھر چہرہ شیشے سے لگا دیا یک دم ہی بجلی زور سے چمکی اور باہر کا سارا ماحول روشن ہو گیا۔ ہشام کی نظر گیٹ پر پڑی۔ برستی بارش میں کوئی گیٹ کے پاس کھڑا تھا۔ اس وقت کون باہر گیا ہے۔ چوکیدار تو آج دوپہر میں ہی بیٹے سے ملنے چلا گیا تھا۔ بجلی پھر چمکی تھی۔
"ماما۔" اس کے حلق سے چیخ کی طرح نکلا تھا اس بارش میں بھلا ماما وہاں گیٹ پر کیا کر رہی ہیں۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا اندرونی گیٹ کھولتا برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگتا بارش میں بھیگتا گیٹ کی طرف بھاگا۔

☼

☼

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

دستِ مسیحا
نگہت سیما
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

دستِ مسیحا

نگہت سیما

"مما! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔"

"وہ عفان... عفان ہے باہر۔ شامی بیٹا گیٹ کھولو۔ مجھ سے نہیں کھل رہا۔ اسے تو بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"ماما پلیز اندر چلیں، عفان نہیں ہے ادھر۔"

"نہیں اس نے دروازہ دھکیلا تھا۔ اس نے مجھے آواز دی اماں۔" ہشام نے اپنا بازو ان کے گرد حمائل کیا اور انہیں لے کر اندر کی طرف چلا۔ وہ خود سارا کا سارا بھیگ گیا تھا۔ اور ماما تو... یک دم بارش تیز ہو گئی تھی۔
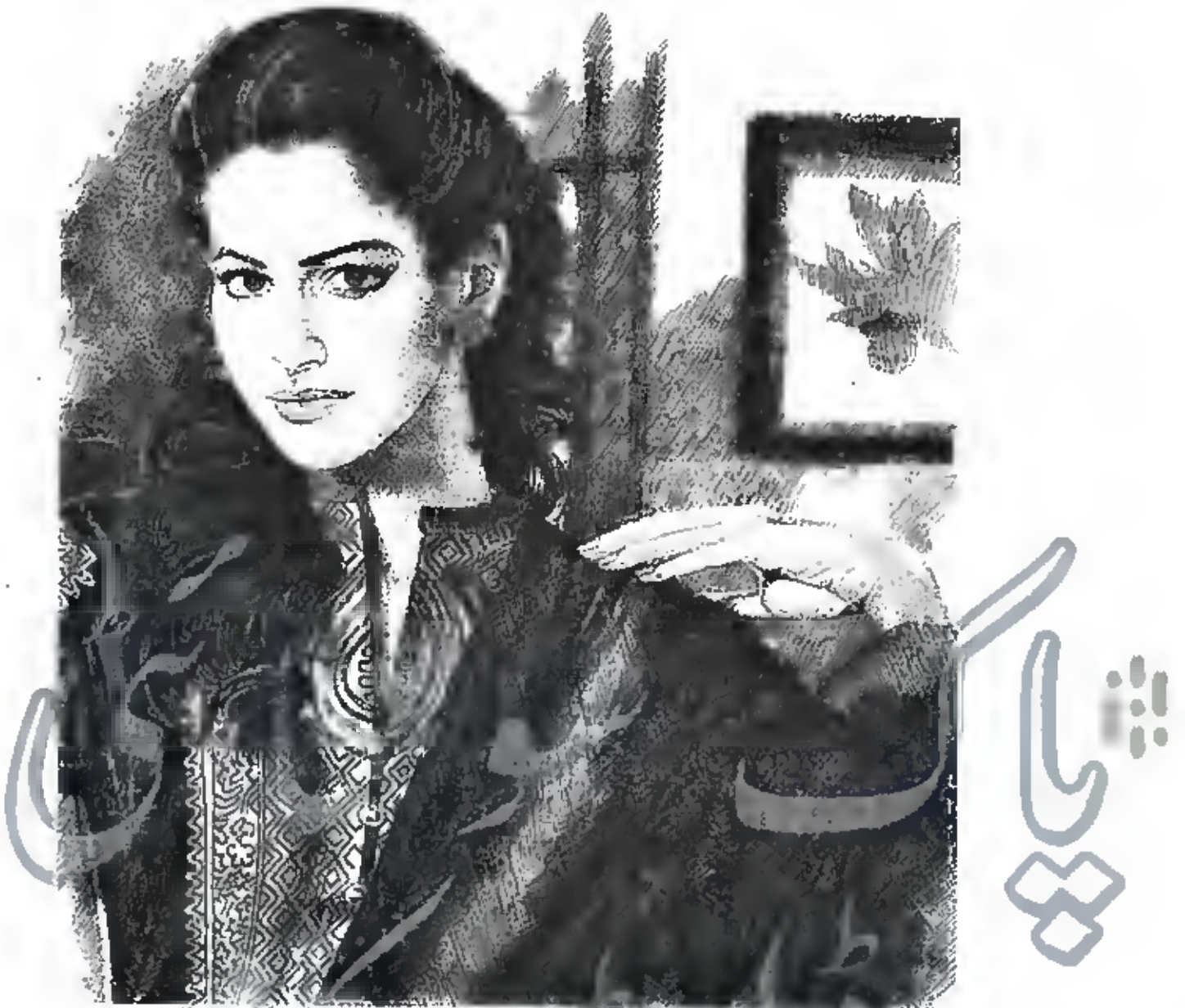
مکمل ناول

"دیکھو شاہی اس نے پھر گیٹ کو دھکیلا ہے۔ آواز دی ہے۔"

"ماما یہ دیکھیں۔" وہ انہیں لیے لیے سی سی ٹی کیمرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"دیکھیں گیٹ کے باہر کوئی نہیں ہے۔" اس نے وہاں ہی سن روم میں کھڑے کھڑے ملازمہ کو آواز دی تھی۔

"شفو۔ فوراً" ماما کے کپڑے نکال کر دو۔" اور پھر وہ انہیں لیے لیے ان کے بیڈ روم میں آیا۔

"ماما پلیز میں باہر جا رہا ہوں۔ آپ کپڑے چینج کریں۔ بھیگنے سے اگر آپ بیمار ہو گئیں اور آپ کو کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ میں اور عجو۔ ہم دونوں تو مر جائیں گے ماما آپ کے بغیر اور عجو تو۔۔۔"

وہ آنسو پیتا تیزی سے باہر نکل گیا۔ اور پھر کپڑے تبدیل کر کے تولیے بال خشک کرتا ہوا وہ ماما کے کمرے میں آیا تو وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھیں شفو ان کے لمبے بال خشک کر رہی تھیں اور باہر ہوائیں اتنی ہی تیزی سے چل رہی تھیں۔ بارش اور ہوا کے چلنے کا شور اندر تک آ رہا تھا۔

"شفو الیکٹرک ہیٹر آن کر دو اور دو کپ چائے بنا کر لاؤ۔" پھر وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"ڈیڈی بھی کل واپس آ رہے ہیں پھر شاید۔۔۔ وہ

بڑے ہیں تجربہ کار ہیں شاید بہتر طریقے سے اسے تلاش کرسکیں۔"

"تمہیں یقین ہے نا شانی تمہارے ڈیڈی عفان کو لے کر نہیں گئے۔"

"مجھے یقین ہے ماما۔ وہ تو عفان کے گم ہونے سے ایک دن پہلے ہی میڈم نیلوفر کو خوش کرنے کے لیے مری چلے گئے تھے سنو فال دکھانے۔"

"لیکن انہوں نے مجھ سے کہا تھا کتنی بار کہا تھا کہ عفان کو کسی ادارے میں بھیج دیتے ہیں۔"

"ہاں ماما وہ چاہتے تھے ایسا کیونکہ اب اسے سنبھالنا بعض اوقات خادم کے لیے بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ لیکن وہ آپ کی مرضی سے آپ کو بتا کر لے جانا چاہتے تھے عفان کو۔ تاکہ جب آپ کا دل چاہے آپ اس سے ملنے جاسکیں۔" ہشام انہیں سمجھا رہا تھا۔ اور وہ چپ کی بیٹھی تھیں۔ کبھی ان کا دل چاہتا تھا وہ ہشام کی بات کا یقین کرلیں اور کبھی انہیں لگتا نہیں عبدالرحمن ہی ضرور عفان کو لے گیا ہوگا۔ کتنے دنوں کی کوشش کے بعد ہشام کا کل رات ڈیڈی سے رابطہ ہوا تھا۔ وہ عفان کی گمشدگی سے قطعی لاعلم تھے۔ وہ تو خود حیران رہ گئے تھے۔

"شانی بیٹا اسے باہر نکل کر گھومنے کا شوق تھا۔ وہ ضرور کسی کی نظر بچا کر گیٹ سے باہر نکل گیا ہوگا۔ چوکیدار بھی تو کسی وقت گیٹ سے ہٹ سکتا ہے۔ چوبیس گھنٹے تو وہ وہاں پر نہیں بیٹھا ہوتا ہم نے باہر نکل کر ادھر ادھر سے پوچھا شاید کسی نے اسے باہر نکل کر کسی طرف جاتے دیکھا ہو۔" اور اس نے تو اس طرح سے کسی سے نہیں پوچھا تھا بس وہ تو اس طرح کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے والے اداروں میں ہی جاکر دیکھتا اور پوچھ گچھ کرتا رہا تھا۔

"آپ یہ وہم دل سے نکال دیں ماما کہ ڈیڈی اسے لے کر گئے ہیں۔ کوئی باپ اپنی اولاد سے کیسے نفرت کرسکتا ہے چاہے وہ ابنارمل ہی کیوں نہ ہو۔"

انہوں نے اپنی بے حد خوب صورت آنکھیں جن میں عجیب طرح کی وحشت تھی ہشام کے چہرے پر جمادیں۔

"لیکن تمہارے ڈیڈی اگر نفرت نہیں کرتے تھے عفان سے تو انہوں نے محبت بھی تو کبھی نہیں کی اس سے۔ وہ مجھ سے ناراض رہنے لگے تھے کہ میں نے انہیں ابنارمل بچے دیئے ہیں۔ تب ہی تو انہوں نے نیلوفر سے شادی کرلی۔"

"ڈیڈی نے اس لیے دوسری شادی نہیں کی کہ آپ سے عفان اور عجو کی وجہ سے ناراض تھے۔ بلکہ انہیں لگتا تھا کہ آپ نے انہیں اگنور کردیا ہے آپ نے خود کو عفان اور عجو کے لیے وقف کردیا اور۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے جھجک گیا۔ وہ صرف انیس سال کا تھا لیکن ڈیڈی کے نزدیک وہ جوان تھا۔ انہوں نے اسے میڈم نیلوفر سے شادی کی وجہ کھل کر بتائی تھی۔

"تم بچے نہیں ہو ہشام۔۔۔ ملکوں کے بیٹے تو پیدا ہوتے ہی جوان ہو جاتے ہیں۔۔۔ میری شادی اٹھارہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ وہ کچی عمر کی عورت ہے۔" اور اس نے ڈیڈی کی بات سمجھی تھی یا نہیں تاہم اتنا ضرور کہا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ شادی کرلیتے لیکن کسی خاندانی لڑکی سے میڈم نیلوفر سے نہیں۔"

"ہاں شاید تم صحیح کہتے ہو لیکن میں کیسے ان کو گھر میں نوکروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر تمہارے ڈیڈ کے ساتھ پارٹیاں اٹینڈ کرتی پھرتی وہ تو نا سمجھ تھے نا بہت ہی نا سمجھ۔"

"ماما آپ ایک عظیم ماں ہیں۔" اس نے ان کے ہاتھ چومے اور شفو کو چائے ٹیبل پر رکھنے کے لیے کہا۔

"اب آپ چائے پئیں اور کمبل اوڑھ کے لیٹ جائیں۔۔۔" انہوں نے پھر سر ہلایا تھا۔

"میں ہوں نا ادھر لاؤنج میں ہی بیٹھا ہوں۔ عفان آیا تو میں دیکھ لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

"عجو کو بھی دیکھ لینا۔ کیا پتا اس نے کچھ مانگا ہو۔ بھوک لگی ہو اسے۔۔۔"

"دیکھ لوں گا بلکہ ابھی کچھ دیر پہلے میں گیا تھا اس

کے کمرے میں وہ اپنی گڑیا سے کھیل رہی تھی۔"
"شامی تم بہت اچھے بیٹے ہو بہت اچھے بھائی ہو لیکن میں اچھی ماں نہیں ہوں۔ میں نے تمہارا خیال نہیں رکھا۔" ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں اور پھر آنسو رخساروں پر پھیل آئے تھے۔
"ماما... ابھی میں نے آپ سے کیا کہا تھا کہ اب آپ ریلیکس رہیں گی اور بالکل نہیں روئیں گی۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔
"آپ بہت اچھی ماں ہیں اور مجھے فخر ہے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔" وہ مسکرایا۔
ان کے سونے کے بعد وہ تھکا تھکا سا باہر لاؤنج میں آکر بیٹھ گیا۔ باہر بارش اسی تواتر سے برس رہی تھی اور تیز ہواؤں کا شور سنائی دیتا تھا۔ عجو اور شفو کارپٹ پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں اور عجو تھوڑی تھوڑی دیر بعد تالی بجاتی تھی۔ وہ کچھ دیر لاؤنج میں ہی بیٹھا رہا اس نے عجو سے بھی ایک دو باتیں کی تھیں پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔
کتنے دن ہو گئے تھے وہ کالج نہیں گیا تھا اور نہ ہی دادی کی طرف گیا تھا۔ امل پوچھے گی میں دادی کی طرف گیا تھا تو میں کیا کہوں گا۔ ناراض ہو جائے گی لیکن میں کیا کروں... ماما کو اس حالت میں چھوڑ کر کیسے گھر سے نکلوں خیر اگر ابھی بارش رک جاتی ہے تو ابھی جاتا ہوں۔ سڑک ہی تو کراس کرنی ہے اور دادی امل کے جانے کے بعد کتنی اداس اور اکیلی ہیں اور یہ امل کی بچی بھی اپنے پاپا کو کہہ نہیں سکتی تھی کہ مجھے یہاں ہی پڑھنا ہے اگر بولٹن سے پڑھ کے آئے گی تو کیا کہیں منسٹر لگ جائے گی... ہوں۔" اس نے ہولے سے سر جھٹکا۔
تب ہی اس کا سیل بج اٹھا۔ اس نے دیکھا امل کا نمبر تھا۔
"ہے شامی کے بچے مجھے فون کرو۔" آن کرتے ہی اس کی آواز آئی تھی اور ساتھ ہی فون بند ہو گیا تھا۔
"تو کیا تم خود فون نہیں کر سکتی تھیں کنجوسوں کی سردار۔" اس نے اس کے ہیلو کرتے ہی ڈپٹا۔
"کر سکتی تھی لیکن تمہیں پتا ہے ناں یہاں سے بہت مہنگا پڑتا ہے اور وہاں پاکستان سے بہت سستا... بلکہ تم ایسا کرو کہ لینڈ لائن سے کرو نا ہمارے فون پر اور بھی سستا پڑے گا۔"
"رہنے دو اب میں تمہارے جتنا کنجوس بھی نہیں ہوں' یہ بتاؤ ٹھیک ہو نا۔"
"ہاں میں تو ٹھیک ہوں تم بتاؤ عفان کا کچھ پتا چلا۔"
وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔
"نہیں امل... کچھ بھی پتا نہیں چلا۔ ماما کی الگ پریشانی ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ حواس میں نہیں ہیں۔"
"اور ڈیڈی سے بات ہوئی۔"
"ہاں ڈیڈی کو کچھ علم نہیں ہے۔ وہ تو خود پریشان ہو گئے تھے کہہ رہے تھے عبدالرحمٰن ملک کا بیٹا بھلے وہ نارمل نہ ہو یوں لاوارث کسی گلی سڑک پر مر جائے تف ہے اس پر۔" اس کی آواز بھرا گئی تو وہ چپ کر گیا۔
"شامی پلیز حوصلہ کرو نا... کاش میں وہاں ہوتی تو ماہی کو سنبھال لیتی۔ دیکھ لینا عفان ضرور مل جائے گا۔ اتنی دعا کر رہی ہوں میں اور میں نے موحد سے بھی کہا ہے کہ وہ دعا کرے۔ پتا ہے موحد پانچوں وقت نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہے اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور عفان کے لیے دعا کرے گا۔" اس کی ریل گاڑی چل پڑی تھی۔ ہشام خاموشی سے سن رہا تھا۔
"ویسے وہ خود اپنی دعا کی قبولیت پر اتنا یقین نہیں رکھتا۔ اس کی ماما ہیں ناں سات سال سے کومے میں ہیں اور وہ کہتا ہے وہ دعائیں مانگ مانگ کر تھک گیا ہے۔ سات سال سے شاید اس کی زبان میں تاثیر نہیں ہے۔"
"یہ موحد کون ہے امل۔" ہشام کو اس انجان لڑکے سے بے حد جلن سی محسوس ہوئی وہ پہلی بار امل کے منہ سے اپنے علاوہ کسی اور کا نام سن رہا تھا۔
"ہاں موحد... موحد عثمان ہے یہ ہمارا پڑوسی... گھر بالکل ساتھ ہیں۔ کل رات اس نے ڈنر ہمارے ساتھ

ہی کیا تھا اور پتا ہے اسے میرے ہاتھ کا بنا ہوا پلاؤ بے حد پسند آیا تھا اور پودینے کی چٹنی تو اس نے بہت شوق سے کھائی تھی۔"

"اچھا۔" ہشام بے حد بے زار ہوا۔

"کیا کرتا ہے۔ میرا مطلب ہے پڑھتا ہے یا جاب وغیرہ کرتا ہے۔" اپنے سوال سے وہ شاید اس کی عمر کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں وہ پڑھتا ہے یہاں ہی بولٹن میں۔ مکینیکل انجینئرنگ کر رہا ہے تیسرے سال میں ہے۔"

"کیسا ہے۔"

"اچھا ہے۔ بہت ہینڈسم اور شاندار اس کی آنکھیں اور بال اتنے پیارے ہیں وہ بالکل غیر ملکی لگتا ہے۔"

"میں نے تم سے اس کی حسن کا قصیدہ سنانے کو نہیں کہا اہل۔۔۔" وہ جل کر جیسے راکھ ہوا تھا۔

"میں نے پوچھا تھا کہ مہذب اور شریف۔۔۔"

"ہاں ہاں بہت مہذب اور ڈیسینٹ ہے۔" اہل نے جوش سے کہا۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور اسے نصیحت کی۔

"دیکھو اہل دھیان سے رہنا وہاں کچھ پتا نہیں ہوتا لوگوں کا' دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اور حقیقت میں کیا ہوتے ہیں۔۔۔ تمہیں بہت جلدی اس سے بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں بس فاصلہ رکھنا اور اس کے ساتھ تنہا کہیں گھومنے مت جانا۔"

"توبہ ہے شاہی۔" وہ بے اختیار ہنسی تھی۔

"تم مجھ سے صرف چند دن بڑے ہو' لیکن نصیحت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔"

"تمہیں برا لگتا ہے۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"نہیں بالکل بھی نہیں۔۔۔" اور تب ہی فون سے ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی تھی بیلنس ختم ہو گیا تھا شاید۔ اس نے فون بیڈ پر پھینک دیا اور اس کے ساتھ ہی میسج کی ٹون آئی تھی۔۔۔ اہل کا میسج تھا۔ اللہ حافظ شاہی کل بات کروں گی۔ لگتا ہے تمہارا بیلنس ختم ہو گیا ساتھ ہی ہنستا ہوا کارٹون۔

اس نے فون پھر بیڈ پر پھینک دیا۔ پتا نہیں کیوں اسے اہل پر غصہ آ رہا تھا۔ میں دادی سے کہوں گا وہ اہل کو واپس بلا لیں۔ وہاں اس ملک میں کتنی آزادی اور بے حیائی ہے اور دادی کو تو اسے بھیجنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر وہ منع کر دیتیں تو بھلا شفیق انکل اسے بلواتے وہاں۔ اور وہ اس قدر بے وقوف اور احمق ہے کہ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے گئے اور کسی موحد عثمان سے دوستی بھی کر لی اور تو اور اسے گھر بھی بلا لیا اور اسے اپنے ہاتھ کا بنا ہوا پلاؤ کھلایا جا رہا ہے۔ اس نے غصے سے بیڈ کی پٹی پر ہاتھ مارا اور پھر درد کے احساس سے برا سا منہ بناتے ہوئے بائیں ہاتھ سے دایاں ہاتھ ہولے ہولے دبانے لگا۔ تب ہی دروازے کو کھول کر عجو اندر آئی وہ کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہے عجو۔" لیکن وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"عفو کو ڈھونڈ رہی ہو۔"

"ہاں آں اں۔" اس نے منہ سے عجیب سی آوازیں نکالیں۔

"چاکلیٹ کھاؤ گی۔" اس نے اپنا چھوٹا سا سر ہلایا تو ہشام نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر چاکلیٹ نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔ عجو نے چاکلیٹ پکڑ کر اس کا ریپر اتارا تھا اور اس کے دو ٹکڑے کر لیے تھے ایک ٹکڑا بائیں ہاتھ کی مٹھی میں بند کر کے اور دوسرا ٹکڑا کھاتے ہوئے باہر کی طرف مڑی۔ اس نے کھلے دروازے سے دیکھا وہ عفان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی اس کی تیرہ سال بہن چھوٹے سر والی اور بے عقل بہن کو عفان کا' اپنے بھائی کا کتنا خیال تھا۔ اور یہ کیسی محبت تھی اس کا دل بھر آیا اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے اور وہ عفان کے گم ہونے کے اتنے دن بعد رو رہا تھا۔ شاید ضبط کرتے کرتے وہ تھک گیا تھا۔ وہ عفان کے لیے رو رہا تھا' وہ روتے روتے یک دم چونکا تھا۔ کسی کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ ہاتھوں سے آنسو پونچھتا ہوا وہ تیزی سے باہر آیا ایک لمحہ کے

لیے لاؤنج میں رکا۔ آواز عفان کے کمرے سے آرہی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا عفان کے کمرے میں آیا۔ بجو کمرے کے وسط میں کھڑی رو رہی تھی اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آوازیں نکل رہی تھیں اور اس کا چھوٹا سا سر زور زور سے ہل رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے نہ سمجھ میں آنے والے لفظ نکل رہے تھے۔ شفو اسے بہلانے اور پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ بار بار اس کا ہاتھ جھٹک دیتی تھی۔

"بجو۔" اس نے کمرے کے دروازے میں کھڑے کھڑے آواز دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا اس کے ہونٹوں پر تھوڑی پر اور رخساروں پر چاکلیٹ لگی ہوئی تھی اور رال بہہ رہی تھی۔

"گندی بچی۔"

"وہ میں ابھی اس کا چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔" شفو نے فوراً وضاحت دی، لیکن وہ اس کی طرف دھیان دیے بغیر بجو کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو بجو اور دیکھو کتنا گندہ کر لیا ہے اپنا چہرہ۔" اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے ایک دم مٹھی پیچھے کر لی اور منہ سے ناقابل فہم آوازیں نکالیں اور کمرے میں دیوانہ وار چکر لگانے لگی۔ کبھی پردے کے پیچھے دیکھتی کبھی صوفے کے پیچھے جھانکنے لگتی۔ ساتھ ہی حلق سے عجیب و غریب آوازیں بھی نکال رہی تھی۔ وہ یقیناً "عفان کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ہشام بے بسی سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بارش یک دم تیز ہوگئی تھی۔ تیز ہوا کا شور وہ سن رہی تھی۔ وہ کہاں جا رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اسے کہاں جانا تھا یہ بھی اس کے ذہن سے نکل گیا تھا، لیکن وہ جا رہی تھی۔ سڑک پر آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ بادل اتنی زور سے گرجا کہ اس نے بے اختیار بریک پر پاؤں رکھے اور پھر کچھ دیر تک یونہی اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی اور پھر سر اٹھا کر سامنے اور ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں تھی۔۔۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہی۔ دائیں طرف بہت سی ٹم ٹم کرتی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

اس نے نیچے اتر کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور بچے کی کیری کاٹ اٹھا کر دوسرے ہاتھ میں باسکٹ اٹھالی تھی۔ بچہ رو رہا تھا وہ روڈ سے نیچے اتر کر دائیں طرف جا رہی تھی۔ دائیں طرف کئی راستے اندر کی طرف جا رہے تھے۔ شاید یہ کوئی کالونی تھی اس کے گیٹ ابھی کھلے تھے وہ اپنے سامنے نظر آنے والے گیٹ سے اندر بڑھ گئی۔ گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی پہلے گھر کے پاس رکی۔ دائیں بائیں دونوں طرف گھر تھے درمیان میں کشادہ سڑک تھی۔ یہ سب گھر ایک ہی جیسے تھے۔ ڈرائنگ روم کے دروازہ کے سامنے روڈ کی طرف چھوٹا سا برآمدہ جس میں دروازہ کھلتا تھا۔ سب برآمدوں میں بلب جل رہے تھے۔ بارش کی بوندیں اس پر پڑیں تو وہ جلدی سے بائیں طرف والے گھر کے برآمدے کی طرف بڑھی۔ کیری کاٹ اس کے دائیں ہاتھ میں اور باسکٹ بائیں میں، دو سیڑھیاں چڑھ کر اس نے دروازے کے پاس کیری کاٹ رکھی۔ بچہ رونے لگا تھا۔ اس نے جلدی سے فیڈر نکال کر اس کے منہ میں دیا۔ چند لمحے وہ فیڈر پکڑے جھکی جھکی کھڑی رہی اور یونہی جھکے جھکے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ کالونی کی سڑک ویران پڑی تھی۔ یک دم بجلی چمکی۔ بادل گرجے اور بارش کی بوندیں پہلے موٹے قطروں اور پھر موسلا دھار بارش میں بدل گئیں۔ وہ یک دم سیدھی ہوئی فیڈر بچے کے منہ سے نکل گیا تھا، لیکن وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیوں سے اتری۔ بچہ حلق پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا اور وہ سرمئی سڑک پر برستی بارش میں بھیگتی ہوئی روڈ کی طرف بھاگ رہی تھی۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے پیچھے دیکھا تھا۔ برستی بارش میں کالونی کی طرف جانے والے گیٹ بھی دھندلے نظر آرہے تھے۔ وہ خود پوری کی پوری بھیگ چکی تھی۔ ہاتھ یخ ہورہے تھے اور کانوں میں بچے کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اور پھر پتا نہیں وہ کیسے گھر پہنچی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے اندرونی گیٹ کا لاک کھولا تھا۔ کچھ دیر وہ کچن روم میں کھڑی رہی۔ اس کے کپڑوں سے پانی نچڑ نچڑ کر نیچے فرش پر گر رہا تھا۔ پھر ہولے ہولے چلتی ہوئی لاؤنج تک آئی۔ نسرین لاؤنج میں بے خبر سو رہی تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آکر صوفے پر گر گئی۔ گھڑی کی سوئیاں تین بجارہی تھیں۔ جسم میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ یہ درد کہاں تھا؟ اسٹیجز میں۔۔۔ نہیں شاید دل میں۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھا اور اپنے بھیگے بالوں اور چہرے کو اپنے دوپٹے سے پونچھا اور پھر بمشکل اٹھ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ درد لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جارہا تھا جیسے کوئی اور رگیں نچوڑ رہا ہو پوری طاقت سے۔ اس نے کمبل اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا اور تکیے پر منہ اوندھا کرکے لیٹ گئی۔ صبح آٹھ بجے جب احسن کمرے میں داخل ہوا تو وہ اسی طرح کمبل میں گھسی سو رہی تھی۔

"ثمرین۔" اس نے آہستہ سے آواز دی، لیکن شاید وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی احسن نے کوٹ اتار کر یونہی صوفے پر ڈال دیا اور بیڈ کی طرف بڑھا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ پوری رات تقریباً" جاگتے ہوئے ہی گزاری تھی۔ اب وہ سونا چاہتا تھا، لیکن ثمرین بیڈ کے عین وسط میں سو رہی تھی وہ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے تکیہ اٹھایا اور یوں ہی کپڑے چینج (تبدیل) کیے بغیر صوفے پر لیٹ گیا اور فوراً" ہی سو بھی گیا۔ وہ بہت گہری نیند میں تھا کہ فون کی مسلسل بجتی بیل نے اسے جگادیا۔ اس کے اٹھ کر بیٹھنے تک فون بند ہوچکا تھا۔ اس نے ٹائم دیکھا گیارہ بج چکے تھے یعنی وہ تین گھنٹے سویا تھا۔ پھر بھی وہ کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔

پھر اس کی نظر بیڈ پر پڑی۔ ثمرین اس طرح کمبل میں لپٹی ہوئی سو رہی تھی۔

"ثمرین۔" وہ بیڈ کے قریب آیا اور اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا اور پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر فوراً" اٹھالیا اس کی پیشانی جل رہی تھی۔ اس کا ٹمپریچر بہت تیز تھا اس نے کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے آواز دی۔

"ثمرین۔۔۔ ثمرین۔" لیکن وہ مدہوش پڑی تھی۔

اس نے کمبل اتار کر ایک طرف کیا اور نسرین کو آواز دی۔

"فوراً" ٹھنڈا پانی لاؤ اور کوئی کپڑا بھی۔" نسرین فوراً" ہی پانی اور کپڑا لے کر آگئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ اس کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتا رہا، لیکن ٹمپریچر کم نہیں ہوا تھا اور ثمرین بے سدھ پڑی تھی۔ وہ خود ڈاکٹر تھا، لیکن اسے یہی مناسب لگا کہ وہ اسے فوراً" اسپتال لے جائے۔

"بے بی کا خیال رکھنا نسرین میں ابھی زرینہ کو بھجوا دیتا ہوں۔" اس نے جانے سے پہلے نسرین کو ہدایت دی۔

"اسٹیجز میں انفیکشن کی وجہ سے ٹمپریچر ہوگیا ہے اور شاید کچھ ٹھنڈ کا بھی اثر ہے۔" ڈاکٹر نے خیال ظاہر کیا اور ایمرجنسی سے کچھ دیر بعد اسے آئی سی یو میں شفٹ کردیا گیا تو ڈاکٹر احسن کو خیال آیا کہ وہ نسرین سے کہہ آئے تھے کہ زرینہ کو بھجوادوں گا۔

"زرینہ ثمرین کی طبیعت خراب ہوگئی ہے اسے اسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا ہے۔ نسرین بچی ہے وہ بے بی کو صحیح طرح سے سنبھال نہیں پائے گی۔ میں جانتا ہوں آپ کا اپنا بیٹا بھی بیمار ہے، لیکن بس تھوڑی دیر کے لیے شام تک ثمرین کی والدہ اور بہن آجائیں گی پھر آپ چلی جایئے گا۔"

"کوئی بات نہیں سر میرا بیٹا دادی کے پاس خوش رہے گا۔" اور بچے کی طرف سے مطمئن ہوکر وہ پھر ثمرین کے پاس آکر بیٹھ گئے، لیکن یہ اطمینان زیادہ دیر تک نہ رہ سکا۔ کچھ ہی دیر بعد سسٹر ریٹا نے بتایا تھا کہ ان کا فون ہے دوسری طرف زرینہ تھی۔

"سر۔ بے بی گھر میں نہیں ہے۔ کہیں بھی نہیں۔"

"کیا مطلب تمہارا... کہاں گیا وہ۔"

"سر وہ کہیں نہیں ہے۔ گیسٹ روم میں' بیڈ روم میں' لاؤنج میں۔ کہیں بھی نہیں۔ نسرین کہہ رہی ہے رات کو وہ بیگم صاحبہ کے پاس بیڈ پر سو رہا تھا۔ نسرین نے خود وہاں ان کے پاس لٹایا تھا۔"

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی زرینہ آخر اس نے کہاں جانا ہے۔ وہ چل تو نہیں سکتا نا۔ ثمرین کی طبیعت بہت خراب تھی ہو سکتا ہے اس نے کہیں ادھر ادھر لٹا دیا۔"

"سر ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔ وہ سر' اس کا سامان بھی نہیں ہے۔ اس کی کیری کاٹ' باسکٹ' فیڈر۔"

"زرینہ آپ وہاں ہی رکیں میں آرہا ہوں۔" اور احسن کو لگا جیسے اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ وہ فون بند کرکے تقریباً" دوڑتا ہوا آئی سی یو میں آیا تھا۔

"ثمرین... ثمرین..." اس نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"بے بی کہاں ہے؟" ثمرین نے ذرا دیر کو آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔ دو تین بار ایسے ہی ہوا۔ وہ اس کے جھنجوڑنے پر آنکھیں کھولتی اور پھر بند کر دیتی وہ کچھ بڑبڑائی تھی کچھ کہا تھا اس نے' لیکن احسن کو سمجھ نہیں آیا۔ جب سسٹر رشا کو ہدایت دے کر وہ اسپتال سے باہر نکل آیا اور فل اسپیڈ پر گاڑی دوڑاتا گھر پہنچا۔ گاڑی سے اترتے ہی اس کی نظر ثمرین کی گاڑی پر پڑی اس کے ٹائروں پر کیچڑ لگا تھا اور باڈی پر بھی کیچڑ کے چھینٹے تھے۔ صبح اس نے دھیان نہیں دیا تھا۔ رات طوفانی بارش ہوئی تھی اور گاڑی یقیناً" گھر سے باہر نکالی گئی تھی۔

"خان چاچا رات کو قاسم گاڑی لے کر باہر کسی کام سے گیا تھا۔"

"نہیں جی قاسم تو چھٹی پر ہے۔" خان بھی گاڑی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"جب تیز بارش ہو رہی تھی تو مجھے ایک بار گیٹ کھلنے کی اور گاڑی کی آواز آئی تھی' میں چیک کرنے آیا تھا گاڑی کھڑی تھی اور..." خان بتا رہا تھا۔ احسن نے سر ہلا دیا۔

"لگتا ہے ٹھنڈ بھی لگ گئی ہے۔" ڈاکٹر کا خیال۔ تو کیا ثمرین باہر گئی تھی' لیکن کہاں۔

"کیا وہ بچے کو کہیں..." اور اس سے آگے سوچنے کے لیے ذہن تیار نہ تھا۔ وہ تیزی سے چلتا اندر گھر میں آیا۔ نسرین نے اسے وہی کچھ بتایا جو زرینہ بتا چکی تھی۔

وہ کچھ دیر صوفے کی پشت پر سر رکھے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ثمرین اگر باہر گئی تھی تو کیوں اور وہ بچے کو کہاں چھوڑ آئی ہے۔ وہ بے چین ہو کر اٹھا۔ ایک بار پھر وہ اسپتال جا رہا تھا۔ تین دن تک وہ ہوش و بے ہوش کے درمیان رہی۔ اس کے اسٹیجز میں انفیکشن ہو گئی تھی۔ بھیگے کپڑوں میں سو جانے کی وجہ سے اسے نمونیے کا اٹیک بھی ہو گیا تھا۔ اس کا ٹمپریچر کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا وہ ذرا دیر کو آنکھیں کھولتی تو احسن اس سے بچے کے متعلق پوچھتا تھا' لیکن پھر اس کی آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ تین دن بعد اس کا ٹمپریچر کم ہوا تھا اور وہ بیڈ پر بیٹھی نمین کے ہاتھ سے سوپ پی رہی تھی جب احسن کمرے میں آیا اس کا چہرہ ستا ہوا تھا آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ان تین دنوں میں ایک رات بھی ٹھیک طرح سے سو نہیں سکا تھا۔

"ثمرین۔" وہ بولا تو ثمرین کو اس کی آواز اجنبی سی لگی۔

"میرا بیٹا کہاں ہے۔ کہاں چھوڑ آئی ہو اسے۔"

ثمرین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور ہونٹ لرزنے لگے۔

"بولو۔" اس نے بیڈ کے قریب آتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"کسی کرتیں کوڑے کے ڈرم میں۔"

"احسن بیٹا آہستہ بولو۔ اسپتال ہے یہ۔" ثمرین کی ممی نے ملتجی نظروں سے احسن کو دیکھا۔

"نہیں۔" ثمرین نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا نہیں منہ سے بولو۔"

"وہ... میں..." اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"کوئی بہانہ مت بنانا ثمرین۔ سچ صرف سچ سننا چاہتا ہوں میں۔"

"آپی پلیز کچھ تو بولیں۔ آپ نے بے بی کو کہاں..." ہبین نے سہمی سہمی آواز میں پوچھا۔

"وہ بہت بدصورت تھا ہبین۔ اس کے چہرے پر ماتھے پر اور رخساروں پر مسسٹ تھیں۔" پلکیں لرز رہی تھیں اور ان کے کناروں پر آنسو اٹکے تھے۔

"تو تم نے اس کا گلہ گھونٹ دیا اور..." احسن نے اس کی بات کاٹی۔

"نہیں... نہیں..."

وہ تیزی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"بولو نا۔ چپ کیوں کر گئی ہو۔"

"میں نے ایک بار اس روڈ پر ایک عمارت پر یتیم خانے کا بورڈ لگا دیکھا تھا۔ میں اسے وہاں چھوڑنے گئی تھی۔"

"اچھا۔" احسن نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"زندہ باپ کو مار دیا تم نے۔"

"بہت بارش تھی۔ اندھیرا تھا۔ مجھے وہ عمارت نظر نہیں آئی اور مجھے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ پھر واپس آتے ہوئے ایک جگہ روڈ پر میں نے گاڑی روکی۔ روڈ سے ادھر کوئی کالونی تھی میں اندر چلی گئی اور وہاں..." وہ خاموش ہو کر احسن کو دیکھنے لگی۔ احسن بے چینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہبین نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ممی نے حوصلہ دیا۔

"ہاں ہاں بیٹا بولو۔"

"وہاں کالونی کے ایک گھر کے باہر والے برآمدے میں میں نے اسے رکھ دیا۔" ہبین اور ممی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے... تم نے ثمرین اپنے بچے کو سردی اور بارش میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ یقین نہیں آرہا مجھے۔ یقین نہیں آرہا۔ رات کے ایک بجے کتوں، بلیوں کی خوراک بننے کے لیے تم نے اپنے بچے کو..." شدت غم سے احسن کی آواز پھٹ گئی اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ کر کھینچے۔ عجیب سی اذیت تھی جو رگ و پے میں اتر گئی تھی۔ ثمرین نے سر جھکا لیا۔

"ثمو تم نے یہ کیا کیا۔ کوئی یوں اپنے جگر کے ٹکڑے کو..." ممی نے تاسف سے سر ہلایا۔

"وہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی تم صبر سے حوصلے سے اس آزمائش پر پورا اترتیں تو اللہ تمہاری جھولی بھر دیتا... احسن کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہو جاتا۔ مسسٹ کو آپریٹ کر کے ریموو کر دیا جاتا ہے اور کٹے ہوئے اعضا کی گرافٹنگ ہو جاتی ہے۔"

"آزمائش یا سزا۔" اس نے یک دم سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"وہ سزا تھا ممی مسلسل سزا تھا۔ میرے کسی ناکردہ گناہ کی میں نے اس کا کتنا انتظار کیا تھا۔ کتنے خواب دیکھے تھے اس کے لیے لیکن..."

"ہونھ۔" احسن نے جیسے غم کی شدت پر قابو پایا تھا۔

"چلو میرے ساتھ بتاؤ کہاں، کس جگہ چھوڑا تھا۔ کیا خبر اللہ کا کوئی نیک بندہ اس پہر جاگ گیا ہو اور اس کے رونے کی آواز سن کر اسے اٹھا لیا ہو۔" احسن اسے بازو سے پکڑے باہر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ تقریباً" گھسٹتی ہوئی اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس کی ممی اٹھی تھیں شاید وہ بھی ساتھ ہی جانا چاہتی تھیں، لیکن احسن باہر نکل گیا تھا۔ وہ پھر بیٹھ گئیں سو ہبین نے آنسو بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپی نے ایسا کیوں کیا امی۔"

"کبھی کبھی کسی کیوں کا جواب ہمارے پاس نہیں ہوتا بس کبھی کوئی ایک غلط کام سارے راستے کھوٹے کر دیتا ہے۔ دعا کرو وہ مل جائے۔ ورنہ... ورنہ پتا نہیں کیا ہو گا۔" آنسو ان کے رخساروں پر پھسل گئے اور

انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے۔

"بیٹھو۔" احسن نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اور گاڑی چلادی۔

"ادھر مڑ کر پھر آگے سیدھا جانا ہے۔" وہ اسے گائیڈ کررہی تھی اور احسن مسلسل بول رہا تھا اور اس کا ہر جملہ ثمرین کو کسی خنجر کی طرح کاٹتا جارہا تھا۔

"تو تمہیں وہ بدصورت لگا ثمرین بیگم۔ تم نے اسے دیکھا ہی کب تھا۔ تم دیکھتیں تو تمہیں پتا چلتا وہ کتنا خوب صورت تھا۔ اس کی آنکھیں کتنی خوب صورت تھیں۔ براؤن براؤن سنہری سی اور اس کی پلکیں کتنی گھنی تھیں پیچھے مڑی ہوئی۔ میں نے کسی نومولود بچے کی ایسی پلکیں نہیں دیکھیں کبھی۔ بالکل تمہاری پلکوں جیسی لیکن تمہیں صرف اس کی پیشانی اور رخسار پر سسٹ نظر آئیں۔ تم نے اس کا کٹا ہوا ہونٹ دیکھا اس کی ناک کا سوراخ نظر آیا تمہیں۔ اور تم نے کہا وہ بدصورت ہے۔

بدصورت تو تم ہو۔ تمہارا دل' تمہاری روح' تمہارا من سب بدصورت ہیں۔ تف ہے تم پر ثمرین۔ میں نے تم سے محبت کی۔ میں نے تمہیں چاہا۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہورہی ہے۔"

وہ بول رہا تھا۔ غصے سے' نفرت سے' ناراضی سے اور ثمرین ہاتھ گود میں دھرے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ نہیں بلکہ عشق کیا ہے اس نے۔۔۔ میں نے غلط کیا' لیکن وہ مجھے معاف کردے گا ابھی غصے میں ہے کچھ بھی کہہ سکتا ہے' لیکن ہمیشہ ناراض نہیں رہ سکتا' میں اسے اب زیادہ انتظار نہیں کرواؤں گی اور فوراً" ہی دوسرا بچہ۔۔۔" اب وہ یوٹرن سے کالونی کی طرف آرہے تھے۔

"روکو۔۔۔ روکو یہاں۔" ایک جگہ اس نے گاڑی رکوائی۔ نیچے اتر کر اس نے کالونی کے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"میں یہاں سے اندر گئی تھی اور اندر داخل ہوتے ہی بائیں طرف پہلے گھر کے برآمدے میں۔۔۔" اس نے بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

"تمہیں یقین ہے۔"

"ہاں پورا یقین ہے۔ یہی برآمدہ تھا۔" اور احسن نے چند قدم آگے بڑھ کر چھوٹے سے گیٹ پر ہاتھ رکھا۔ اسے لگا جیسے اس کا دل دگنی رفتار سے دھڑک رہا ہو۔

☼ ☼ ☼

"پنو کیا تم ناراض ہو مجھ سے۔" موحد کو امل کی خاموشی سے الجھن ہورہی تھی۔ امل نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ اس سے ذرا فاصلے پر اسی بینچ پر بیٹھی سامنے دیکھ رہی تھی۔ صبح صبح اس نے امل کو جاگنگ کے لیے پارک میں جاتے دیکھا تھا آج اس کی کلاسز نہیں تھیں اور وہ صرف امل کو دیکھنے کے لیے باہر نکلا تھا۔ پہلی ملاقات کو ایک ماہ چار دن گزر گئے تھے اور اس ایک ماہ چار دن میں اس کی امل سے روز ہی ملاقات ہوتی رہی تھی۔ سوائے ان آخری چار دنوں کے۔۔۔ صبح جب وہ یونیورسٹی کے لیے نکل رہا ہوتا تو اکثر گیٹ پر امل سے ہیلو ہائے ہوجاتی یونیورسٹی یہاں سے بیس منٹ کی واک پر تھی۔ کبھی وہ گھر چلی آتی۔ کوئی نہ کوئی چیز لے کر۔

"یہ بریانی بنائی تھی لے لو۔"

"یہ آج کڑاہی تیار کی ہے چکھو تو کیسی ہے۔" سعد آگیا تھا اور اس کے لائے کھانے بہت شوق سے کھاتا تھا اور بہت خوش تھا۔

"یار اس کے کھانوں سے پاکستان کی خوشبو آتی ہے۔" حالانکہ یہاں پاکستان' ہندوستان ہر طرح کے کھانے مل جاتے تھے۔ حلیم سے لے کر دہی بھلے تک' لیکن سعد کی اپنی ہی منطق تھی۔

وہ دونوں اپنے پراجیکٹ میں بزی ہوگئے تھے۔ ایک دو بلکہ تین بار دونوں نے اس کے گھر ڈنر بھی کیا تھا۔ شفیق صاحب اپنے نام کی طرح ہی مہربان اور شفیق تھے۔ اور انہوں نے انہیں ہر طرح کی مدد کی آفر بھی کی تھی کسی مسئلے کی صورت میں۔ اور یہ کل صبح

کی بات تھی جب ناشتا کرتے کرتے سعد نے کہا تھا۔
"یار وہ تمہاری دوست نے کئی دنوں سے چکر نہیں لگایا۔"
"اوہ ہاں۔" وہ اپنے پراجیکٹ کے سلسلے میں اتنا بزی تھا کہ اس نے دھیان نہیں دیا کہ امل تین چار دن سے نظر ہی نہیں آرہی۔
"شاید اپنی پڑھائی میں بزی ہوئی یا کہیں گئی ہوئی ہوگی۔"
"کیسے دوست ہو تم خبر تو لو کہیں بیمار شیمار نہ ہو۔"
"تمہیں کیوں بے چینی ہو رہی ہے۔" اسے سعد کا تجسس اچھا نہیں لگا تھا۔
"یار چار دنوں سے کوئی اچھی چیز کھانے کو نہیں ملی۔" اس نے اتنی معصومیت سے کہا تھا کہ موحد کو ہنسی آگئی۔
"اس روز کتنے مزے کے آلو کے پراٹھے بھیجے تھے اس نے کہہ رہی تھی کسی روز قیمے والے پراٹھے بھی کھلاؤں گی۔"
سعد نے اپنے سامنے پڑے ادھ جلے توسٹ کو دیکھا تھا۔ ان کا ٹوسٹر خراب تھا اور موحد تین دن سے فرائی پین میں سلائس سینک رہا تھا اور موحد نے سوچا تھا ہاں واقعی کہیں بیمار نہ ہو اور پھر اس نے تین چار چکر لان کے بھی لگائے تھے اور اچک کر باڑ کے اس طرف بھی دیکھا تھا لیکن ان کا لان ویران پڑا تھا لیکن پھر کچھ دیر بعد اسے شفیق صاحب اپنے گیٹ سے نکلتے نظر آگئے تو سلام کر کے اس نے فوراً" امل کا پوچھا تھا۔
"امل کیسی ہے انکل۔ تین چار دن سے نظر نہیں آرہی۔"
"ہاں ٹھیک ہے۔" شفیق صاحب نے نرمی سے کہا تھا۔
"آج کل ذرا پڑھائی کی طرف دھیان دے رہی ہے۔"
"تم نے تو کچھ نہیں کہا امل کو۔" کچھ دیر بعد وہ اندر آکر سعد سے پوچھ رہا تھا۔ سعد نے لیپ ٹاپ سے نظر ہٹا کر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
"میں نے بھلا کیا کہنا تھا مجھے تو وہ بالکل اپنی چھوٹی بہن کومل کی طرح لگتی ہے اور ہم پاکستانی اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کے لیے جان دیتے ہوئے بھی نہیں جھجکتے۔" پتا نہیں سعد نے کیا سمجھا تھا۔
"سوری یار۔" وہ شرمندہ ہوا تھا۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ کہیں ہماری کوئی بات اسے بری تو نہیں لگ گئی۔ ورنہ وہ..." سعد نے لمحہ بھر بغور اسے دیکھا۔
"اگر وہ ناراض بھی ہے تو تمہاری کسی بات سے ناراض ہوئی ہوگی تم سوچو تم نے ایسی کیا بات کی ہے۔"
اور وہ زندگی میں پہلی بار ماما بابا کے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچ رہا تھا۔ بے حد سوچنے کے باوجود بھی اسے کوئی ایسی بات سمجھ نہ آئی جس پر وہ ناراض ہو سکتی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا ناراض ہونا اس کے لیے بہت اہم ہو وہ سکون سے پڑھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ کتنی بار اس نے سوچا کہ وہ اس کے گھر چلا جائے اور پوچھ لے کہ وہ کہاں غائب ہے۔ اتنے دنوں سے۔ لیکن پھر اسے مناسب لگا اور اس نے سوچا کہ وہ صبح پارک میں جائے گا۔ امل ہر روز واک کے لیے پارک جاتی تھی۔ تو وہاں پوچھ لے گا کہ وہ آج کل نظر کیوں نہیں آرہی سو جب اس نے اسے پارک میں جاتے دیکھا تو خود ہی پارک میں آگیا تھا بینچ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اس روز کے بعد وہ آج پارک میں آیا تھا اور جب وہ دوڑتے دوڑتے رکی تھی تو اس نے پکار لیا تھا۔
"ہے۔ امل کہاں غائب ہو۔" وہ ٹشو سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے بینچ پر آکر بیٹھ گئی تھی۔
"کہیں نہیں۔" موحد کو اس سے پہلے وہ کبھی اتنی سنجیدہ نہیں لگی تھی۔ تب ہی اس نے پوچھ لیا تھا۔
"ناراض ہو۔"
اب اس نے موحد کی طرف دیکھا تھا۔
"مجھے دکھ اور افسوس تم پر ہے موحد۔" اب وہ پوری کی پوری اس کی طرف مڑ گئی تھی۔ "تم نے مجھے کیسی لڑکی سمجھا تھا موحد عثمان" اس کی سبز آنکھوں

میں موحد کو نمی سی نظر آئی تھی اور وہ بے چین ہو گیا تھا۔

"امل پلیز مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آئی۔ میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔ میں نے کوئی ایسی بات کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو۔ کم از کم مجھے ایسی کوئی بات یاد نہیں جو تمہارے لیے باعث تکلیف ہو۔" امل لمحہ بھر اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اس کی بات پر پریشان ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں اس کا پردہ نہیں رکھتی تھیں۔

"تم نے مجھے غلط نمبر دیا تھا نا۔ تم نے سمجھا ہو گا میں کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوں۔ ہیں نا۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔ بس میں نے یوں ہی۔ میرا مطلب ہے کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ ہم کبھی دوبارہ ملیں گے۔" وہ اپنی بات کی صحیح طرح وضاحت نہیں کر پا رہا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ امل اس کی بات سمجھ لے۔

"اور اللہ نے ہمیں دوبارہ ملا دیا۔" اس کی سبز آنکھوں میں اب ناراضی کے بجائے چمک تھی۔

"امل یقین کرو اس روز اپنے کمرے میں جا کر بیڈ پر لیٹ کر سونے سے پہلے جتنی بار میں نے تمہیں سوچا اچھا سوچا۔ اور سچی بات ہے مجھے افسوس بھی ہوا کہ میں نے تمہیں غلط نمبر کیوں دیا لیکن میں۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اب مسکرا رہی تھی اور موحد عثمان کو لگا جیسے اس کی ساری بے چینی اور اضطراب اسے مسکراتے دیکھ کر ختم ہو گیا ہو۔

"چلو چھوڑو۔ تم نے بھی شاید صحیح کہا تھا۔ میں تمہارے لیے اجنبی جو تھی۔ اور۔۔۔" اس نے نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دبا کر موحد کی طرف دیکھا۔

"تم نے سوچا ہو گا۔ بھلا ایک اجنبی لڑکی کو تمہاری مام سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ضرور اس کے پیچھے کوئی مقصد ہو گا۔"

"نہیں بالکل بھی نہیں میں نے ایسا بالکل بھی نہیں سوچا تھا۔" موحد نے جلدی سے کہا۔

"یقین کرو میں نے ایک بار بھی تمہارے متعلق غلط نہیں سوچا، کوئی بھی تمہارے متعلق غلط نہیں سوچ سکتا۔" وہ مسکرایا۔

"تھینک یو۔" وہ مسکرائی اور موحد کو لگا جیسے آس پاس اردگرد ہر جگہ روشنی سی ہو گئی ہو۔ آج موسم میں خوشگوار سی حدت تھی اور پارک میں معمول سے کچھ زیادہ لوگ تھے۔

"سنو امل! میں اس ویک اینڈ پر برمنگھم جا رہا ہوں ماما کو دیکھنے۔ تم چلو گی میرے ساتھ۔ ماما مجھے دیکھتی نہیں ہیں۔ مجھ سے بات نہیں کرتی ہیں۔ لیکن مجھے لگتا ہے جیسے وہ میری آمد کو محسوس کرتی ہیں۔ میں ہر پندرہ دن بعد ماما کو دیکھنے جاتا تھا۔ لیکن اس بار ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔ پتا نہیں کیوں کل سے مجھے لگ رہا ہے جیسے ماما اداس ہوں گی وہ میری منتظر ہوں گی۔ میرے لیے بے چین ہوں گی۔ میں ان کے پاس گھنٹوں بیٹھا رہتا ہوں ان کی پلک تک جنبش نہیں کرتی۔ میں پھر بھی ان سے باتیں کرتا رہتا ہوں مجھے لگتا ہے جیسے ان کے ساکت وجود سے خوشی پھوٹ رہی ہو۔ اور اب۔۔۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی اور وہ مسکرایا۔

"تو تم چل رہی ہو نا میرے ساتھ۔"

"پاپا شاید مجھے اس کی اجازت نہ دیں۔ میرا مطلب ہے یوں اکیلے تمہارے ساتھ دوسرے شہر جانے کی۔" موحد کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"اب منہ مت بنانا موحد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے پاپا تمہیں کوئی غلط شخص سمجھتے ہیں۔ پاپا تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔ اور مجھے تو تم پہلے دن ہی اچھے لگے تھے۔" موحد جھینپ گیا۔ وہ بڑے آرام سے اپنے احساسات کا اظہار کر جاتی تھی۔

"بس ہر گھر کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ میرے پاپا یہاں رہ کر کافی لبرل ہو گئے ہیں لیکن مجھے پتا ہے وہ اس طرح کسی دوسرے شہر میں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ دراصل ادھر پاکستان میں ہماری فیملی میں اس

طرح کا کوئی تصور نہیں ہے۔"

"اوکے۔" موحد مسکرایا۔

"تمہیں اتنی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی اہل۔ میں تمہارے لیے کہہ رہا تھا کہ تمہیں ماما سے ملنے کا اشتیاق تھا۔"

"ہاں وہ تو ہے۔ میں جب بھی بابا کے ساتھ برمنگھم گئی تو تمہاری ماما سے ملنے ضرور جاؤں گی۔ تمہاری ماما جب صحت مند تھیں تو تم سے بہت محبت کرتی ہوں گی۔ بہت خیال رکھتی ہوں گی تمہارا۔"

"ہاں۔" اس نے سرہلایا۔

"مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں موحد بہت محبت کرنے والی بہت خیال رکھنے والی۔ میری ماما ہوتیں تو وہ بھی میرا ایسا ہی خیال رکھتیں۔ ایسی ہی محبت کرتیں مجھ سے۔ میرے بابا کہتے ہیں ماؤں کی اپنے بچوں سے محبت دیکھ کر محبت خداوندی کا عرفان ہوتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک تھی۔

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے یونیورسٹی جانا ہے اور تم۔"

"میرا آج آف ہے۔"

"تو مزے کرو۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"پروجیکٹ ملا ہوا ہے۔ پہلے ہم نے مل کر ایک پراجیکٹ کیا۔ سعد میں اور ولیم نے۔ اب Individual (انفرادی) کرنا ہے تو بہت کام کرنا پڑے گا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پارک سے نکلے۔

"ہاں وہ تمہارا گم شدہ کزن ملا۔" موحد کو اچانک خیال آیا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سرہلایا۔

"شامی نے بتایا ہے اس کے ڈیڈی بھی آگئے ہیں اور ڈھونڈ رہے ہیں عفان کو۔ ضرور اسے کسی بھکاریوں کے گروپ نے پکڑ لیا ہوگا۔ مامی کی حالت بہت خراب ہے اور میں یہاں ہوں۔ شامی بے چارہ بھی اکیلا کیا کرے۔ اوپر سے میڈم نیلوفر بھی ہر روز آدھمکتی ہیں۔ عفان کا پتا کرنے کے بہانے۔"

"ہشام تمہیں ہر بات بتاتا ہے۔" موحد نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں وہ ان دنوں تو تقریباً" روز ہی بات کرتا ہے۔ آخر دل کی بات کس سے کرے۔ ہم دونوں دراصل بہت اچھے دوست بھی ہیں۔ صرف کزن نہیں ہیں۔" اور موحد کو اپنے دل پر نامعلوم سا اداسی کا غبار پھیلتا محسوس ہوا۔

"اور تم ہر وقت پاکستان کی تعریف کرتی ہو۔ جہاں ایک معذور بچے کو بھکاری پکڑ لیتے ہیں۔ پتا ہے یہاں اس طرح کا کوئی بچہ گھر سے نکل جائے تو جیسے بھی ملے وہ فوراً" پولیس کو خبر کرتا ہے نہ کہ اسے بھکاری بنانے کے لیے لے جاتا ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔

"پاکستان تو پاکستان ہے اور جرائم کہاں نہیں ہوتے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"یہاں بھی ہوں گے لیکن اگر کوئی ہمارا اپنا کسی برائی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہم اسے ڈس اون کر سکتے ہیں۔ محبت کرنا چھوڑ سکتے ہیں نہیں نا۔ تو میں بھی پاکستان سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتی۔ نہ اسے ڈس اون کر سکتی ہوں۔" اب وہ گیٹ کے پاس پہنچ چکے تھے۔

"سنو۔۔۔ آج رات ڈنر ہماری طرف کرنا۔ میں نے قیمہ کریلے اور ساتھ میں کھیر بنائی ہے۔ بابا کو بہت پسند ہے۔ دادی نے بہت سارے کریلے کٹ کر دیے تھے دیسی کریلے۔ میں نے یہاں آکر فریز کر دیے تھے۔"

"تھینک یو۔"

"ویلکم۔" وہ اسے خدا حافظ کہہ کر اپنے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑا رہا۔ سعد اس ڈنر کی دعوت کا سن کر یقیناً" بہت خوش ہوگا۔ وہ مسکرا دیا۔ اور سعد خوش ہی نہیں ہوا تھا اچھل پڑا تھا۔

"آج کے دن کی یہ سب سے اچھی خبر ہے۔" وہ کچن میں سے ناشتا بناتے بناتے باہر آیا تھا اور پھر واپس کچن میں جاتے ہوئے پوچھا۔

"ویسے محترمہ کہاں غائب تھیں۔"

"مصروف تھی کچھ۔" موحد نے اس کی ناراضی کا

بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

"یار ایک بات تو بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔" وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں آیا تھا۔

"تم اسے پسند کرنے لگے ہو۔" اس نے انڈا توڑ کر فرائی پین میں ڈالا۔

"کیا مطلب؟؟"

وہ کچن ٹیبل کے کنارے پر ٹک گیا۔

"مطلب یہ کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔" سعد نے پلیٹ میں انڈا نکالتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا وہ سٹپٹایا۔

"محبت... فضول باتیں نہ کرو سعد۔ میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا۔"

"کیا محبت کرنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے یار۔ یہ تو خود بخود ہو جاتی ہے میری جان اور تمہیں بھی اگر نہیں ہوئی تو ہو جائے گی... بلکہ محبت نے اپنے قدم تمہارے دل کی سرزمین پر رکھ دیے ہیں لیکن ابھی تم اس کی آہٹ محسوس نہیں کر رہے ہو۔ لیکن ایک دن تم اس کی دھمک محسوس کرو گے۔"

"اچھا شاعری مت کرو۔" موحد نے بازو سے پکڑ کر اسے ہٹایا۔

"سلائس میں بناؤں کل بھی تم نے جلا دیے تھے۔"

"جو حکم جناب کا۔" سعد نے چولہے کے پاس سے ہٹتے ہوئے ہلکا سا سر خم کیا۔

"لیکن اگر تمہیں کبھی لگے کہ تمہیں امل شفیق سے محبت ہو گئی ہے تو سب سے پہلے مجھے بتانا۔ مجھے خوشی ہوگی۔ کیونکہ امل بہت اچھی لڑکی ہے وہ تمہارے ساتھ سوٹ کرے گی وہ بہت Pure ہے بہت خالص۔"

"ہاں جیسے اسے تو مجھ سے ہی محبت ہو جائے گی نا' پاکستان میں اس کا ایک کزن بھی ہے اور بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے ان میں۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا اور بات کر کے وہ خود بھی حیران ہوا تھا۔

"تو کیا تم اس کے ان دیکھے کزن سے جیلس ہو رہے ہو۔" سعد نے تلے ہوئے انڈے ٹرے میں رکھے اور فریج سے مکھن نکالا۔

"جیلس ہرگز نہیں۔" وہ بھنایا۔

"مجھے بھلا جیلس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے بات کا جواب دیا تھا۔"

"لیکن مجھے تھوڑی جلنے کی بو آرہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آگ اندر کہیں لگ چکی ہے اور محبت نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔" سعد اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں تھا اور ٹرے اٹھا کر کچن سے باہر لاؤنج میں موجود ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔ اور موحد مڑ کر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ سعد بھی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ماہ چار دن کی ملاقات میں مجھے کسی سے محبت ہو جائے اور میرا خیال ہے کہ میں ابھی اتنا میچور نہیں ہوں کہ محبت کا بوجھ اٹھا سکوں۔ مجھے ابھی اپنی ایجوکیشن مکمل کرنی ہے۔ پھر تعلیم کے بعد سوچوں گا کہ......"

"ارے جلا دیے۔" سعد پھر دروازے پر کھڑا تھا۔

"اوہ۔" وہ تیزی سے مڑا لیکن سلائس جل چکا تھا۔

"ہوشیار۔ تم باہر جا کر بیٹھو اور آرام سے سوچو۔ میں ڈبل روٹی سینک کر لاتا ہوں۔ کیونکہ انڈے ٹھنڈے ہو رہے ہیں اور مجھے لائبریری بھی جانا ہے۔"

"وہ صرف ایک اچھی دوست ہے اور تم ایسے ہی فضول اندازے مت لگایا کرو۔" وہ فرائی پین سلیب پر رکھ کر ہٹ گیا۔ سعد نے صرف ایک شرارتی سی نظر اس پر ڈالی۔ اور ڈبل روٹی اٹھالی۔ وہ لاؤنج میں ٹیبل پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر سعد نے واقعی کوئی بات نہیں کی تھی ناشتا کر کے وہ لائبریری چلا گیا لیکن موحد کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ کئی بار اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور پھر بند کر دیا قلم اٹھا کر کچھ نوٹس بنانے چاہے لیکن موڈ نہیں بنا۔ اور اپنے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے اس نے کوئی پچاس بار خود کو یقین دلایا کہ یہ محبت وغیرہ صرف افسانوی بات ہے۔ در حقیقت صرف صنف مخالف کی کشش۔ اور یہ امل صرف ایک اچھی دوست ہے۔ بقول سعد کے بالکل خالص۔

دوسری لڑکیوں سے جن سے اب تک وہ ملا تھا۔ مختلف ہے۔ اس لیے وہ اس سے بات کرلیتا ہے اور اسے اس کی ناراضی کی پروا تھی ورنہ آج تک وہ بھی کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کسی کو امل کی طرح اہمیت دی تھی۔ حالانکہ اسکول اور کالج لائف میں بھی لارا جین اور کورا نے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

اور پچاسویں بار خود کو یقین دلا کر اس نے اپنا والٹ اٹھایا اور گیٹ لاک کرکے باہر نکل آیا۔ اس نے سینز بری (Sains Burry) جانا تھا۔ اپنے لیے کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اسے اپنے لیے خود شاپنگ کرنا پڑی ہو۔ ہمیشہ جب بابا بولٹن آتے یا وہ برمنگھم جاتا تو بابا اس کی شاپنگ کرتے تھے۔ وہ بابا پر بہت ٹرسٹ کرتا تھا اسے خود پر یقین نہیں تھا کہ وہ اچھی اور صحیح چیز کا انتخاب کرسکے گا۔ اور زندگی کے ساتھی کے متعلق بھی اس کا خیال تھا کہ وہ جس لڑکی کو اپنے لیے منتخب کرے گا بابا کی مرضی اور رائے اس میں شامل ہوگی۔ برمنگھم جاؤں گا تو بابا کو ضرور امل کے متعلق بتاؤں گا۔ وہ ایک بار پھر غیر ارادی طور پر امل کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہشام نے لاؤنج میں قدم رکھا تو وہاں میڈم نیلوفر کو دیکھ کر اسے انتہائی کوفت ہوئی تھی وہ لاؤنج میں ماما کی ساتھ بیٹھی تھیں۔ جب سے وہ اور ڈیڈی مری سے واپس آئے تھے۔ یہ کوئی چوتھی بار تھا جب وہ ان کے گھر آئی تھی۔ اسے ان کا اپنے گھر آنا قطعی پسند نہ تھا۔ اور یہ بات وہ کتنی ہی بار ڈیڈی کو بتاچکا تھا لیکن اس بار ڈیڈی نے اسے یہ کہہ کر خاموش کروادیا تھا کہ وہ اس کی ماں کی دلجوئی کے لیے آئی ہے۔ رہنے کے لیے نہیں پھر میں اسے کیسے منع کرسکتا ہوں۔ عفان ابھی تک نہیں ملا تھا۔ اس نے آس پاس لوگوں سے پوچھا تھا کسی نے عفان کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک ٹھیلے والے نے بتایا تھا کہ اس نے اس طرح کے لڑکے کو دائیں طرف والی سڑک پر جاتے دیکھا تھا۔ وہ ٹھیلے والا سبزی بیچتا تھا اور مختلف جگہوں پر گھومتا رہتا تھا۔ کم از کم ٹھیلے والے کے بتانے سے ہشام کو یہ یقین تو ہوگیا تھا کہ ڈیڈی اسے لے کر نہیں گئے تھے۔ ڈیڈی کے ساتھ اس نے تقریباً" آس پاس کی سب جگہیں دیکھ ڈالی تھیں۔ جگہ جگہ رک کر لوگوں سے پوچھا تھا لیکن کہیں کسی سے کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ کسی نے انہیں گجرات جانے کا مشورہ دیا تھا۔ وہاں درگاہ پر جاکر دیکھیں کیا خبر کسی نے وہاں پہنچا دیا ہو۔ درگاہ پر اس طرح کے بچے ہوتے ہیں۔ اور جھوٹ کے انبار میں سے سچ کو تلاشنا بہت مشکل کام تھا۔ وہ بے حد مایوس اور دلگرفتہ سا گجرات سے واپس آیا تھا۔ ایئرپورٹ سے وہ ٹیکسی کرکے آئے تھے۔ عبدالرحمٰن ملک نے اسے گیٹ کے پاس اتارا تھا۔ ان کی گاڑی نیلوفر کے اپارٹمنٹ کی پارکنگ میں تھی اور ہشام کا ڈرائیور گاؤں گیا ہوا تھا۔

"میں کل آؤں گا۔ اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں اور تمہاری ماں کا رونا برداشت نہیں کرسکتا۔" انہوں نے ٹیکسی والے کو کلفٹن چلنے کے لیے کہا تھا۔ یعنی ڈیڈی میڈم نیلوفر کے پاس جارہے ہیں۔ پہلے جب وہ نیلوفر کے فلیٹ میں ہوتے تو وہ بہت کڑھتا تھا لیکن اب کچھ عرصہ سے اس نے کڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ ماما نے کبھی ان سے باز پرس نہیں کی تھی۔ کبھی احتجاج نہیں کیا تھا تو وہ کیوں احتجاج کرتا۔ لیکن وہ نیلوفر کو قبول بھی نہیں کرپارہا تھا۔ اس وقت بھی وہ ماما کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا تھا۔ نیلوفر ان کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔ ماما ملگجے سے کپڑوں میں تھیں۔ کل جب وہ گھر سے نکل رہا تھا تب بھی انہوں نے یہ ہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بال الجھے ہوئے تھے۔ چہرہ ستا ہوا اور پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ شاید کچھ دیر پہلے وہ روئی تھیں۔ انہوں نے یک دم اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہشام کچھ پتا چلا میرے عفو کا؟" وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھیں۔ وہ خود اندر سے کتنا ٹوٹ رہا تھا اور کتنا مایوس ہورہا تھا یہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک بار بھی اس نے ماما کے سامنے حوصلہ نہیں ہارا۔

حالانکہ آج اسے یقین ہوگیا تھا کہ عفان نہیں ملے گا لیکن وہ انہیں تسلی دینے کی خاطر بولا۔

"وہ ملے گا مجھے یقین ہے وہ ضرور ملے گا۔ آپ کی دعائیں بے اثر نہیں جائیں گی۔"

اس نے ایک بار بھی نیلوفر کی طرف نہیں دیکھا تھا جبکہ نیلوفر کی نظریں مسلسل اس پر تھیں۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ہشام اور روبی کی شادی ہو جائے تو پھر تو عبدالرحمن ملک کا سب کچھ ہمارا۔ روبی اس کے بھائی مسعود کی بیٹی تھی۔ گھر جا کر اماں کو کہتی ہوں کہ روبی کو کچھ دنوں کے لیے بھجوا دے میرے پاس۔ ایک یہ اماں اور سودا' خود تو مہینے میں بیس دن میرے گھر پر ہی ہوتے ہیں لیکن روبی کو چھوڑ آتے ہیں گھر پر.... تب ہی عجو نے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا۔

"ہوں.... ہاں۔ ایں۔" وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اور ہشام کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی تھی۔

"عجو۔" ماما ایک دم اٹھی تھیں۔

"کیا ہوا۔" عجو نے پیچھے مڑ کر کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے کی طرف لے گئیں۔ ہشام نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ اور آنکھیں موند لیں ایک دم بے تحاشا تھکن اس کے اندر اتر آئی۔ نیلوفر بے حد دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ہشام نے یک دم کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تم اتنے پریشان کیوں ہو۔ مجھے تمہاری پریشانی سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور تمہاری ماں کی بے وقوفی پر ہنسی آتی ہے۔ وہ ایک ابنارمل بچہ تھا۔ شکر کرو خود ہی تمہاری زندگی سے نکل گیا۔ ان بچوں کے ہوتے ہوئے بھلا کون تم سے شادی کرے گا۔ میں تو کہتی ہوں عجو کو بھی چھوڑ آؤ۔ کسی ادارے میں قصہ ہی ختم۔ آرام سے اپنی زندگی جیو۔ یہ بچپن میں ہی بڑھاپا کیوں اوڑھ لیا ہے تم نے اور تمہاری بے وقوف ماں بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے کہ مصیبت سے جان چھوٹی' رولا (شور) ڈال کر بیٹھی ہوئی ہے۔" ہشام ایک سکتے کی سی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"سمجھاؤ اپنے ماں کو خواہ مخواہ تمہاری اور عبدالرحمن کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور خود بھی بے وقوف...."

"شٹ اپ۔" وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ ایک لفظ بھی اور نہیں میری ماما کے متعلق ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔ اور آپ تو میری ماما کے قدموں کی خاک برابر بھی نہیں ہیں۔ آپ کیا جانیں میری ماما کا رتبہ اور مقام۔"

"ارے واہ۔" اس نے ہاتھ نچائے۔

"ایک تو ہمدردی کرو اوپر سے باتیں بھی سنو۔"

"نہیں ضرورت ہمیں آپ کی ہمدردی کی۔" اس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ ایک لمحہ بھی اسے اپنے سامنے کھڑا نہ رہنے دیتا۔

"لو ایک تو ہمارا ہنی مون خراب کیا اوپر سے بات بھی نہ کریں۔"

"ہنی مون۔" شدید غصے کے باوجود ہشام کو ہنسی آگئی۔ "شادی کے سات ماہ بعد ہنی مون منانے گئی تھیں آپ مری۔"

"تو وہ تمہارا بابا جب لے جاتا تب ہی جاتا تھا۔" اس کا انداز گفتگو ایسا ہی تھا وہ سخت بدمزا ہوا۔ "لیکن انجوائے خاک کرتے ہم۔ تمہارا رونا پیٹنا شروع ہوگیا عفان چلا گیا۔ عفان گم ہوگیا۔ ماما کی حالت ٹھیک نہیں۔" وہ کندھے اچکا اچکا کر نقل اتار رہی تھی۔

"جی بھر کے باتیں بھی نہیں کر سکے ہم دونوں۔"

"تو جائیں نا اب جا کر باتیں کرلیں جی بھر کے انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔ ہماری جان چھوڑیں۔"

"کیا.... کیا کہہ رہے ہو عبدالرحمن کہاں ہے۔"

"وہ کلفٹن گئے تھے۔"

"اوہ۔ ہو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ وہاں اماں اور سودا (مسعود) پتا نہیں.... ارے بڑے لالچی ہیں دونوں ذرا موقع ملے ہاتھ پھیلا لیتے ہیں۔" وہ بات کر کے رکی

نہیں تھی تیزی سے لاؤنج سے باہر چلی گئی۔ ہشام نے کچھ نہ سمجھنے کے سے انداز میں سرہلایا اور شفو کو آواز دے کر چائے بنانے کے لیے کہا۔ تب ہی ڈور بیل ہوئی۔ شفو نے پوچھ کر بتایا۔

"کوئی سبزی والا ہے۔ جی۔ وہ کہہ رہا ہے آپ جس لڑکے کے متعلق پوچھ رہے تھے اس کے متعلق کچھ بتانا ہے۔"

"کیا...." وہ تقریباً" بھاگتا ہوا اندرونی گیٹ کی طرف گیا تھا اور پھر دروازہ کھولتا اور برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگتا گیٹ تک پہنچا۔ اور بغیر کسی سلام ودعا کے اس نے سبزی والے کا ہاتھ پکڑ کر اندر آنے کے لیے کہا۔

"کیا تم نے عفان کو دیکھا ہے۔ کہاں پلیز جلدی بتاؤ۔" لان کی طرف جاتے ہوئے وہ بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"صاحب آپ نے جس لڑکے کی تصویر دکھائی تھی اور جو اس گیٹ سے نکل کر دائیں طرف جارہا تھا۔ میں نے اسے کل حیدر آباد میں دیکھا۔ میں ایک عزیز کی فوتگی پر حیدر آباد گیا تھا اور وہاں بازار میں ایک جگہ میں نے اسے دیکھا۔ اپنے فون پر اس کی تصویر بنائی تھی۔ یہ دیکھیں جی۔ اور وہاں کچھ لوگ اس کی نگرانی کررہے تھے۔" اس نے ایک پرانا سا فون جیب سے نکال کر ہشام کی طرف بڑھایا۔ تصویر بہت واضح نہیں تھی لیکن وہ عفان تھا۔ سو فی صد عفان تھا۔

"اچھا آپ بیٹھیں میں ڈیڈی سے بات کرتا ہوں۔" اس نے اپنا سیل فون نکالا۔ اور عبدالرحمن ملک سے بات کرکے اس نے سبزی والے کو بتایا کہ اس کے ڈیڈی آرہے ہیں۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ باقی ہم دیکھ لیں گے۔ بس آپ ہمیں دور سے دکھادیجیے گا اور ہم نے اخبار میں جس انعام کے متعلق کہا تھا وہ رقم بھی آپ کو ملے گی۔ اور ہم آپ کے احسان مند بھی رہیں گے ہمیشہ۔" اب وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ کر بول رہا۔ کچھ ہی دیر بعد عبدالرحمن ملک آگئے اور وہ سبزی والے کے ساتھ حیدر آباد کے لیے نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

"ماما پلیز آپ کچھ دیر کے لیے گھر چلی جائیں۔ رات سے آپ یوں ہی بیٹھی ہیں.... آپ نے رات سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔ گھر جاکر کچھ کھاپی کر باتھ وغیرہ لے کے فریش ہو کر آجائیں۔" آئی۔ سی۔ یو کے باہر ایک طرف بنے چھوٹے سے کمرے کے بینچ پر بیٹھتے ہوئے ہشام نے ماما کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"شامی وہ بچ تو جائے گا نا۔ ٹھیک تو ہوجائے گا۔" انہوں نے ہشام کی طرف دیکھا۔

"ان شاء اللہ ماما۔ ہم صرف دعا کرسکتے ہیں اور وہ کررہے ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔

"مزمل ڈیڈی کو کلفٹن چھوڑ کر واپس آرہا ہوگا۔ آپ گھر جاکر آرام کریں۔ شام کو میں خود آکر آپ کو لے آؤں گا۔ آپ مجھے بالکل فریش ملیں گی۔ اور ہاں میں نے گھر فون کیا تو شفو بتارہی تھی نجو بہت رورہی ہے۔ چپ نہیں ہورہی۔"

"اچھا پھر میں گھر چلی جاتی ہوں۔ تم عفان کا خیال رکھنا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے جاکر دیکھتے رہنا۔"

"ٹھیک ہے ماما ابھی مزمل آجاتا ہے تو آپ چلی جایئے گا۔ میں یہاں رہوں گا اور عفان کا خیال رکھوں گا۔" انہیں تسلی دے کر وہ اٹھا۔ عفان کا بیڈ سامنے ہی تھا۔ اسے آکسیجن لگی ہوئی تھی اسے نمونیے کا شدید اٹیک ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے سانس لینے میں مشکل ہورہی تھی۔ سبزی والا انہیں حیدر آباد کے اس بازار میں لے گیا تھا۔ جہاں اس نے عفان کو دیکھا تھا۔ عفان وہاں ہی اسی جگہ پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور اس کے سامنے بچھی چادر پر چھوٹے بڑے سکے اور نوٹ پڑے ہوئے تھے۔

"عفان۔" وہ تیر کی طرح اس کی طرف لپکا تھا۔ عفان نے بند آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تھا اور ہشام کو لگا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں پہچان کی

چمک لہرائی ہو اور اس کے ہونٹوں سے کچھ غیر مبہم سی آوازیں نکلی تھیں۔

"عفو... عفان تم کہاں چلے گئے تھے۔ ماما بہت روتی ہیں... بہت یاد کرتی ہیں تمہیں۔"

"اما... ں۔" عفان کے لبوں سے نکلا تھا اور وہ کھڑا ہو گیا تھا اس کا ہاتھ ابھی تک ہشام کے ہاتھوں میں تھا۔ جب پیچھے سے ایک بندے نے ہشام کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔

"ہے۔ بابو۔" ہشام نے مڑ کر دیکھا' وہ گھنی مونچھوں' کرخت چہرے اور سرخ خوف ناک آنکھوں والا ایک شخص تھا۔

"کہاں لے جا رہے ہو اسے۔"

"میرا بھائی ہے گھر لے کر جا رہا ہوں۔"

"بھائی۔" وہ زور سے ہنسا تھا "ارے بہت دیکھے تیرے جیسے بھائی چھوڑ اسے۔" اس نے ہشام کے ہاتھ سے ایک جھٹکے سے عفان کا ہاتھ چھڑایا۔ تب ہی عبدالرحمن ملک اور ان کے ساتھ آلیں۔ پی صاحب اور ان کے محلے کے افراد نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

وہ عفان کو کراچی لے آئے تھے لیکن اسے بہت ہائی فیور تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ نمونیہ کا شدید اٹیک ہوا ہے اسے۔ شاید وہ بارش میں بھیگا تھا۔ اور اس کا جسم اور پھیپھڑے کمزور تھے۔ پتا نہیں وہ اس آدمی کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔ وہ نہیں جان سکے تھے۔ لیکن ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ مل گیا تھا... لیکن وہ بہت تکلیف میں تھا۔

ان لوگوں نے اسے بہت مارا بھی تھا شاید' جب وہ تکلیف سے روتا ہو گا تب۔ یا جب فٹس پڑتے ہوں گے تب۔ خادم نے جب اس کا لباس بدلوایا تو اس کے جسم پر جگہ جگہ نیل دکھائی دیے۔ اس کی تکلیف کے پیش نظر اسے اسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا تھا اور آج صبح سے وہ آئی۔ سی۔ یو میں تھا۔

"میر علی آ گیا ہے ماما چلیں میں آپ کو گاڑی تک چھوڑ آؤں۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور وہ دونوں نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

"ممی پلیز مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔" ثمرین نے التجا کی۔

"مجھ سے احسن کا رویہ برداشت نہیں ہوتا۔" ممی نے بے بسی اور تاسف سے اسے دیکھا۔

"بات کروں گی میں احسن سے' پر ثمو تم نے بہت ظلم کیا احسن پر' خود پر' تم نے اسے اپنا خون پلایا۔ نو ماہ تک اپنی کوکھ میں رکھا پھر کیسے تو نے اپنا کلیجہ پتھر کر لیا۔"

"ظلم تو مجھ پر ہوا ہے ممی... میں نے اسے اپنے خون سے سینچا اور..."

"کفر مت بکو ثمرین... اللہ کے غضب سے ڈرو۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ممی پلیز ٹھیک ہو جائے گا احسن ہمیشہ مجھ سے خفا اور ناراض نہیں رہ سکتا۔ ابھی شاک میں ہے۔ اسے بچوں کا بہت شوق تھا۔ ہم نے اس بچے کے لیے بہت خواب دیکھے تھے۔ ہم بہت جلد ایک اور بچہ..."

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ کاش وہ مل ہی جاتا تو احسن تمہاری غلطی معاف کر دیتا' لیکن اب..." انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

وہ کچھ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتی تھیں کہ آنے والے دنوں میں احسن کا رویہ کیا ہو گا۔ اس نے پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈا تھا۔ کالونی کے اندر جانے والے ہر راستے سے اندر جا کر ہر اس گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا جس کے ڈرائنگ روم کے باہر نیم دائرے کی شکل کے برآمدے تھے' لیکن کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اگر کسی جانور نے اسے نقصان پہنچایا ہوتا تو اس کی باسکٹ اور کیری کاٹ تو کسی نے دیکھی ہوتی۔ اس کی باقیات ہوتیں۔ مردہ یا زندہ جیسا بھی ہوتا کالونی میں شور مچا ہوتا۔ اس نے روڈ پر جھاڑو دینے والوں اور کوڑا اٹھانے والوں سے بھی پوچھا تھا۔ کچھ لوگ حیران ہوئے تھے۔ کچھ عجیب اور مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے تھے'

لیکن اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔
بس ایک بار وہ مل جاتا تو پھر وہ ثمرین کو اس کی شکل تک نہ دکھاتا' لیکن وہ کہیں نہیں ملا اس طوفانی رات میں وہ کہاں گیا تھا۔ زمین نگل گئی تھی یا آسمان۔ پچھلے دس دنوں سے احسن کا حال برا تھا۔ وہ اسپتال بھی نہیں جا رہا تھا۔ سارا دن گاڑی لے کر کالونی اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں گھومتا رہتا تھا۔ وہ یتیم خانہ، فقیروں میں' خانہ بدوش میں ہر جگہ دیکھ آیا تھا۔ پولیس میں بھی رپورٹ لکھوائی تھی کہ کوئی اس کا بچہ اٹھا کر لے گیا ہے' لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔
"ممی پلیز آپ بات کریں نا احسن سے۔" اس نے پھر ان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی بات دہرائی' لیکن سچ تو یہ ہے کہ انہیں احسن کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ کل رات احسن بچے کے سلسلے میں اپنی تلاش کے متعلق بتاتے ہوئے جس طرح بلک پڑا تھا اور وہ اس کے سامنے مجرم سی بنی بیٹھی رہ گئی تھیں۔ احسن کے ساتھ یہ سب ثمرین نے ان کی بیٹی نے کیا تھا۔ وہ اتنی شرمندہ تھیں کہ ثمرین کے اصرار کے باوجود انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔
"مجھ سے اماں کی باتیں برداشت نہیں ہوتیں ممی۔" آنسو اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔ احسن کی اماں دو دن پہلے ہی لاہور سے آئی تھیں۔ اپنی پلستر شدہ ٹانگ کی پروا کیے بغیر۔ ان سے احسن کا دکھ برداشت نہیں ہوا تھا۔ ابھی تو ٹھیک طرح سے انہوں نے اس کی خوشی بھی نہیں منائی تھی کہ احسن نے انہیں اندر تک دہلا دیا تھا۔ اور پھر وہ صبر نہیں کر سکی تھیں۔ انہوں نے ثمرین سے کچھ زیادہ نہیں کہا تھا بس چند لفظ۔
"نی مائیں تو اپنے جگرے سار لیتی ہیں اولاد کے لیے اپنی جندڑی لٹا دیتی ہیں۔ تو کیسی ماں ہے۔" لیکن ان کی نظریں اسے اندر تک کاٹ دیتی تھیں۔
"انہوں نے کچھ غلط تو نہیں کہا ثمرین!" ممی نے آہستگی سے کہا۔
"وہ احسن کی ماں ہیں اور یہ بچہ ان کی نسل کا امین تھا۔ ان کا وارث تھا۔"
"تو کیا ہوا وہ میرا بچہ تھا۔ میں نے اسے پیدا کیا تھا میں نے تکلیف سہی تھی۔" ان کی آہستہ سے کہی جانے والی بات پر وہ یک دم غصے سے چیخ پڑی تھی۔
"اور میں نے اپنے بچے کے ساتھ جو کیا اس کے لیے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔"
"لیکن مجھے جواب دہ ہو تم۔" احسن کمرے سے اپنی آستینوں کے بٹن بند کرتا ہوا باہر آیا اس کی نظریں ثمرین پر تھیں۔
"وہ تنہا تمہارا بیٹا نہیں تھا' وہ میرا بھی بیٹا تھا۔ تم اس کے متعلق اتنا ظالمانہ فیصلہ خود سے کیسے کر سکتی تھیں۔ بتاؤ مجھے کیوں کیا تم نے ایسا۔" ان دس دنوں میں احسن نے اس کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔ اس روز کے بعد وہ ہر روز اکیلا ہی اسے تلاشتا پھرا تھا اور اب ثمرین کے سامنے کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔ ثمرین کی پلکیں جھک گئیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے وہ احسن کی یہ نظریں برداشت نہیں کر سکتی اتنی اجنبی اتنی غیر۔
"خدا کے لیے ممی اسے ساتھ لے جائیں۔" وہ ممی کی طرف مڑا تھا۔
"میں اسے دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ کہیں غصے میں مجھ سے کچھ غلط نہ ہو جائے۔"
"میں بھی سوچ رہی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے اسے ساتھ ہی لے جاؤں۔ اس کی طبیعت بھی ابھی ٹھیک نہیں ہے اور وہاں اس کے پاپا اکیلے ہیں۔" اور احسن سر ہلا کر واپس کمرے میں چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے احسن سے معافی مانگی تھی۔
"پلیز احسن مجھے معاف کر دو مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔" لیکن احسن نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا اور وہ بیبن اور ممی کے ساتھ لاہور آ گئی تھی۔ اس یقین کے ساتھ کہ ایک روز احسن اسے معاف کر دے گا' لیکن اس کا یہ یقین اس روز ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا تھا جب بیبن نے اسے بتایا کہ اس نے آج احسن کو اپنے گھر سے نکلتے دیکھا ہے بلکہ چوکیدار نے

بتایا ہے کہ وہ تو کئی دنوں سے آیا ہوا ہے۔

اسے لاہور آئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا، لیکن اس ایک ماہ میں احسن نے اسے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ خود اس نے کئی بار فون کیا، لیکن احسن نے اٹینڈ نہیں کیا اور اب وہ یہاں آیا ہوا تھا۔ ایک سڑک کراس کر کے بالکل سامنے اور ملنے نہیں آیا تھا۔ اور وہ سبین کے منع کرنے کے باوجود احسن سے ملنے اس کے گھر جا پہنچی تھی۔

"تم میرا فون اٹینڈ نہیں کرتے۔ اتنے دن سے یہاں آئے ہوئے ہو اور مجھے ملنے تک نہیں آئے۔ اتنا بڑا جرم تو نہیں تھا میرا کہ تم نے ساری محبتیں بھلا دیں۔"

"تم کہتی ہو وہ بڑا جرم نہیں تھا۔ قتل سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"میں نے اسے قتل نہیں کیا احسن۔"

"ثمرین بیگم میں اپنے بچے کا قتل تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ میں نے اس ایک ماہ میں بہت سوچا ہے، لیکن میں تمہارے ساتھ مزید زندگی نہیں گزار سکتا۔ تم جیسی عورت کے ساتھ مزید ایک لمحہ بھی نہیں۔ مجھے تمہاری طرف آنا تھا یہ سب بتانے، لیکن میں مصروف تھا۔ ہم اپنا گھر فروخت کر کے یہاں سے جا رہے ہیں۔"

"نہیں پلیز احسن ایسا مت کرو۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ میں بہت محبت کرتی ہوں تم سے۔"

"تم اگر اپنے بچے کے بغیر رہ سکتی ہو تو اپنی محبت کے بغیر بھی رہ سکتی ہو۔ تمہارے ہونٹوں سے نکلے یہ لفظ مجھے منافق لگ رہے ہیں۔ تمہاری محبت بھی جھوٹ تھی شاید۔"

"چلو میں نے تسلیم کیا اپنا جرم۔ ہاں میں تمہاری مجرم ہوں تمہاری اور اپنے بچے کی مجرم ہوں۔ میری محبت جھوٹ تھی۔ تمہاری محبت تو جھوٹ نہیں تھی اور کہتے ہیں محبت کرنے والوں کا دل بڑا ہوتا ہے۔ بہت فراخ بہت کشادہ دل ہوتی ہے محبت۔۔۔" اس نے ملتجی نظروں سے احسن کو دیکھا۔

"ہوتی ہو گی، لیکن نہ تو میرا دل بڑا ہے اور نہ ہی میری محبت کشادہ۔ میں اس عورت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا جو میرے بچے کی قاتل ہو اور میں اس سے محبت کرنا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کر سکتا۔ میری محبت اسی روز مر گئی تھی جس روز تم نے میرے بچے کو مرنے کے لیے اندھیری طوفانی رات میں کسی اجنبی دہلیز پر چھوڑ دیا تھا۔ شرعی اور قانونی طریقے سے تمہیں طلاق کے پیپرز مل جائیں گے۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا لاؤنج سے باہر نکل گیا تھا اور صوفے پر بیٹھی احسن کی اماں اسے تاسف سے دیکھ رہی تھیں۔

"ہائے تو نے یہ کیا کیا ثمرین اپنی گود بھی اجاڑی اور اپنی محبت بھی برباد کی۔"

لیکن سر جھکائے باہر جاتی ثمرین کا دل اس وقت بھی اپنی گود اجڑنے پر نہیں اپنی محبت کے کھو جانے پر رو رہا تھا۔ اسے صرف احسن کو کھو دینے کا دکھ تھا۔ اس نے ایک لمحہ کے لیے بھی اس بچے کے متعلق نہیں سوچا تھا جسے وہ مرنے کے لیے چھوڑ آئی تھی۔ وہ احسن کے لیے رو رہی تھی اور اس نے احسن کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ممی پاپا کو حتیٰ کہ سبین کو بھی احسن کے پاس بھیجا تھا، لیکن بے سود۔ احسن وہ گھر فروخت کرنے کے بعد اپنی والدہ کو ساتھ لے کر کہیں چلا گیا تھا اور کچھ ہی دنوں بعد اسے طلاق کا پہلا نوٹس مل گیا تھا۔

اس روز محبت تڑپ تڑپ کر روئی تھی، لیکن ممتا سوئی رہی تھی۔

"ممی میں احسن کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں احسن سے بہت محبت کرتی ہوں۔ پلیز کچھ کریں۔ اس کا پتا کروائیں اس کی منت کریں وہ مجھے دوسری طلاق نہ بھیجے۔" وہ ممی کی گود میں سر رکھے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں بولٹن کیسا لگا۔" سر جھکائے بے حد اداس

ہی بیٹھی اہل سے موحد نے پوچھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسی کون سی بات کرے کہ اہل کا دل بہل جائے۔ وہ شاید بہت روئی تھی۔ اس کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور اس کی پلکیں ابھی بھی اسے بھیگی بھیگی لگ رہی تھیں۔

"بولٹن اچھا ہے خوب صورت ہے چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا۔ گرینری (سبزہ) بھی بہت ہے' لیکن یہاں سردی بہت ہے ہڈیوں کو کڑکڑا دینے والی۔" اس نے اپنے ہاتھ گود میں رکھے ہوئے تھے اور انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں یہاں انگلینڈ کے باقی علاقوں کی نسبت زیادہ سردی پڑتی ہے۔"

"پتا ہے موحد۔" اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

"اس رات شاہی نے بتایا تھا بہت بارش ہوئی تھی اور بہت ہوائیں چل رہی تھیں جب عفان گھر سے گیا تھا۔ شاید اسے بہت سردی لگی ہوگی۔ اور اسے نمونیہ ہوگیا تھا اور ان ظالموں نے اس کی پروا بھی نہیں کی اور جب ماموں اسے واپس لائے تو اس کی حالت بہت خراب تھی۔" اس کی پلکوں پر اٹکے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ موحد حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے اس کزن کی موت پر رو رہی تھی جو ابنارمل تھا جسے دورے پڑتے تھے اور شاید ایسے بچوں کی موت پر والدین اور خاندان والے دل میں اللہ کے شکر گزار ہوتے ہوں گے کہ اللہ نے انہیں اس آزمائش سے بچالیا اور انہیں سرخ رو کردیا۔ فطری اور خونی محبت اپنی جگہ' لیکن اطمینان اور سکون کا احساس تو ہوتا ہوگا نا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر اہل کی طرف دیکھا وہ ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"پتا ہے رات جب شاہی کا فون آیا تو وہ بہت رو رہا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا مامی کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے بہت اثر لیا ہے۔ دراصل وہ اسپتال پہنچی ہی تھیں کہ عفان کا سانس اکھڑ گیا۔ اور ہشام بے چارہ اکیلا تھا وہاں مامی کو یقین ہی نہیں آتا کہ ـــ"

"اللہ انہیں صبر دے گا اہل۔" موحد نے اسے تسلی دی۔

"اللہ کی مصلحت اسی میں ہوگی۔"

آج سنڈے تھا اور سعد ابھی تک سو رہا تھا۔ اس کی آنکھ حسب معمول کھل گئی تھی اس نے اپنے لیے کافی بنائی تھی اور جب وہ خالی کپ کچن میں رکھنے جارہا تھا کہ اہل کا فون آگیا۔

"سنو میں گیٹ پر کھڑی ہوں دروازہ کھولو۔" اس نے ٹائم دیکھا نو بج رہے تھے۔ ضرور اس نے ناشتے پر کوئی اسپیشل چیز بنائی ہوگی۔ سعد کے تو مزے ہوگئے۔ وہ مسکراتا ہوا باہر آیا تھا' لیکن اسے دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

"کیا ہوا اہل۔"

"وہ سنو وہ عفان مرگیا۔" وہ رونے لگی تھی۔

"پاپا صبح صبح مانچسٹر چلے گئے کسی کام سے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ میں تمہاری طرف آگئی' میں نے تمہیں ڈسٹرب کردیا نا' لیکن میں کیا کرتی پاپا بھی چلے گئے اور مجھے شاہی اور مامی کا خیال آرہا تھا۔" اس نے اپنے بہتے آنسو پونچھے تھے۔

"اوکے ـــ اوکے ٹھیک ہے۔ اچھا کیا تم ادھر آگئیں میں بالکل بھی ڈسٹرب نہیں ہوا۔" موحد نے اسے لاؤنج میں بٹھایا تھا اور اس نے عفان کی موت کی ساری تفصیل بتائی تھی۔ اور اب وہ اس کے سامنے بیٹھی وقفے وقفے سے پلکوں تک آنے والے آنسوؤں کو پونچھ رہی تھی۔

"پلیز اہل بہت رولیا۔ اب مت رو اللہ کی مرضی کے سامنے آدمی بے بس ہوتا ہے۔" اس نے سرہلایا تھا۔

"تم نے ناشتا بھی نہیں کیا ہوگا۔ ہیں نا۔"

"ہوں۔"

"تو تم بیٹھو پہلے میں تمہارے لیے اچھی سی کافی بناتا ہوں اور پھر آج میرے ہاتھ کا ناشتا کرو۔ تمہارے ہاتھ

کا ناشتا تو کئی بار کیا ہے۔"

وہ مسکراتا ہوا کچن میں چلا گیا تو چہرے کو دونوں ہاتھوں سے اچھی طرح پونچھتے ہوئے اس نے سوچا۔

یہ موحد عثمان جو پہلی ملاقات بہت ریزرو اور کچھ مغرور سا لگا تھا آج کتنا لونگ اور کیئرنگ لگ رہا ہے۔ بالکل شامی کی طرح۔۔۔ وہ سوچ رہی تھی جب موحد ناشتا بنا کر لے آیا۔ اس نے لاؤنج میں موجود گول ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا لگایا۔

"آجاؤ امل۔" اس نے بڑے مصروف انداز میں امل کی طرف دیکھا امل بڑی دلچسپی سے اسے ٹیبل پر ناشتا لگاتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے آملیٹ اور فرائی انڈا دونوں ہی بنا لیے تھے۔ سلائس مکھن جام اس نے ساری چیزیں ترتیب سے ٹیبل پر رکھیں۔

"امل تم شروع کرو میں آیا۔" وہ پھر کچن میں چلا گیا تھا کچھ ہی دیر بعد وہ ایک باؤل میں قیمہ اور شملہ مرچ گرم کر کے لے آیا۔

"یہ رات سعد نے پکایا تھا۔"

"آملیٹ تو تم نے زبردست بنایا ہے موحد۔" اس نے ایک لقمہ لیا۔

"میری مما بھی کبھی کبھار ایسے ہی ٹماٹر شملہ مرچ اور پیاز ڈال کر آملیٹ بناتی تھیں۔" تب ہی سعد اپنے گاؤن کی ڈوریاں کستا ہوا اپنے کمرے سے نکلا اور ناک سیکڑ کر خوشبو سونگھی۔

"لگتا ہے ہماری سسٹر بہت زبردست ناشتا بنا کر لائی ہیں۔"

"سسٹر نے نہیں جناب میں نے ناشتا بنایا ہے۔" موحد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب اٹھ گئے ہو تو تم بھی آجاؤ منہ ہاتھ دھو کر۔"

"کتنی دیر سے پراٹھوں اور آملیٹ کی خوشبو آرہی تھی میں سمجھ رہا تھا خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"پراٹھے تو نہیں البتہ آملیٹ ہے۔" امل نے جواب دیا تھا۔

"ٹھنڈا ہونے سے پہلے آجاؤ۔"

"تم کبھی کسی ویک اینڈ پر Sains Burry یا Aldi وغیرہ گئی ہو۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بہت رونق ہوتی ہے تقریباً" تمام اسٹورز کے اوپن ایریا میں ہر ویک اینڈ پر سوشل ایکٹیویٹیز ہوتی ہیں۔ مثلاً" بچوں کے لیے مختلف گیمز، رسہ کشی، ویٹ لفٹنگ وغیرہ۔ مختلف اسٹال لگے ہوتے ہیں۔"

"کیا خیال ہے آج کہیں چلیں۔" اس نے امل کی طرف دیکھا۔ امل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آج ٹاؤن ہال چلیں گے تم تیار ہو کر آجاؤ۔" اس نے فوراً" ہی پروگرام بنا لیا۔ وہ اس کا دل بہلانا چاہتا تھا۔ حالانکہ آج سعد کے ساتھ اسے لائبریری جانا تھا لیکن اس نے اپنا پروگرام کینسل کر دیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیوں، لیکن وہ اسے اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی ادھر ادھر کی باتیں کرتی ہوئی ہی اچھی لگتی تھی۔

"او کے چلتے ہیں۔" کافی پی کر وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" اور اس کے جانے کے بعد آنکھیں جھپکاتے ہوئے سعد نے سر ہلایا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ موحد عثمان اپنا پہلے سے ترتیب دیا ہوا پروگرام ختم کر کے کوئی اور پروگرام بنا رہا ہے۔ ہے نا حیرت انگیز بات اور یہ ان تین سالوں میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں میں۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"

"نہ کالا نہ پیلا۔ بس موڈ نہیں رہا لائبریری جانے کا تم چلو گے ہمارے ساتھ۔"

"نہیں مجھے کباب میں ہڈی بننے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے۔" سعد مسکرا رہا تھا۔

"بکو مت اور یہ ٹیبل سے برتن سمیٹ دو۔" سعد کو گھورتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اور جب وہ کپڑے چینج کر کے آیا تو امل بھی تیار ہو کر آچکی تھی۔ اس نے بلیک جینز پر ریڈ کلر کی لانگ شرٹ پہن رکھی تھی اور بلیک کوٹ پر ریڈ اونی اسٹول تھا۔ اس نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ امل شفیق میں کچھ ایسا خاص تھا جو دوسری لڑکیوں میں نہیں

تھا۔ سعد ابھی تک ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تھا اور انگلیوں سے ٹیبل بجا رہا تھا۔ اس نے بے حد معنی خیز اور شرارتی نظروں سے موحد کو دیکھا۔

"کب تک واپسی ہے؟"

"پتا نہیں۔" موحد نے اس کی شرارتی نظروں کو نظر انداز کیا۔

"ہم لنچ وہاں ہی کریں اور شاید شاپنگ کا بھی موڈ بن جائے۔"

"او کے دش یو گڈ لک۔" اس کی آنکھیں اب بھی شرارت سے چمک رہی تھیں۔ امل اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر اب بھی اداسی کی جھلک تھی۔ باہر نکل کر موحد نے کیب لے لی تھی اور کچھ ہی دیر بعد وہ ٹاؤن ہال میں تھے۔

"یہاں ادھر چرچ اور کونسلر وغیرہ کے دفاتر بھی ہیں۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔ امل نے سب کچھ بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔ مختلف اسٹالوں پر بھی گئی تھی۔ کھیلوں کے مقابلے بھی دیکھے تھے۔ بچوں کو بھی مختلف گیمز میں حصہ لیتے دیکھا تھا اور پھر ایک بوڑھی عورت کے پاس رک گئی تھی۔ جو اپنے سامنے پرانی چیزیں رکھے فروخت کر رہی تھی۔

"تمہیں اگر پرانی چیزوں سے دلچسپی ہے تو یہاں ایک الگ مارکیٹ بھی ہے پرانی چیزوں کی۔ کسی دن چلنا۔" موحد نے اسے کھڑے دیکھ کر کہا۔

"نہیں مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

"میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اس سے اس کے بچوں کے متعلق پوچھوں۔"

"تو بات کر لیتیں۔" موحد مسکرایا۔

"مجھے وہ بوڑھی عورت اپنے ملک کی محنت کش عورت کی طرح لگی تھی جو اپنے بچوں کی خاطر محنت کرنے کے لیے گھر سے نکلتی ہے۔" امل نے مڑ کر ایک نظر اس بوڑھی عورت پر ڈالی۔

"ہوسکتا ہے اس عورت کے بچے نہ ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہوں اور اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہوں۔ ان کا اس بوڑھی عورت سے اتنا ہی رابطہ ہو کہ ہر کرسمس پر کارڈ بھیج دیتے ہوں اور پھر جب یہ عورت مرے گی تو اس کے فیونرل (جنازے) میں شریک ہو جائیں گے اور اگر شریک نہ ہو سکے تو پھول بھیج دیں گے۔" موحد نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ تمہاری یورپی تہذیب کتنی ظالم ہے موحد۔" اس کے لہجے سے تاسف صاف جھلکتا تھا۔

"میری تہذیب یورپی نہیں ہے امل۔" موحد نے سنجیدگی سے کہا تو امل نے فوراً "سوری" کر لیا۔

"تم دراصل یہاں پیدا ہوئے۔ یہیں پلے بڑھے ہو اس لیے میں نے کہہ دیا، لیکن میں جانتی ہوں کہ تمہاری تہذیب یورپی نہیں ہے۔" اس نے وضاحت کی تو موحد مسکرا دیا۔

"اٹس او کے امل چلو "ننڈوز" چلتے ہیں۔ وہاں کے برگر ڈاسمٹیکس اور پیری پیری چکن بہت مشہور ہے۔ وہ کھاؤ گی۔"

"نہیں پہلے کافی پیتے ہیں پھر فش اینڈ چپس چلتے ہیں۔"

"ایز یو وش میم۔" موحد نے ذرا سا سر خم کیا۔

"شامی کو بھی فش اور چپس بہت پسند ہیں۔ کبھی کبھی ہم فنگر فش کھانے جاتے تھے وہاں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ تھا، لیکن کیا غضب کی فنگر فش بناتے تھے ساتھ میں فرنچ فرائیز اسپیشل ساس کے ساتھ۔" اس نے آنکھیں بند کر کے چٹخارا لیا۔ موحد نے اس کی آنکھوں کی چمک پر غور کیا۔

"میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ ابھی تک تم نے اپنے کراچی کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ اور شام کا بھی۔" یہ بات اس نے دل میں کہی تھی۔

"ہاں میرا کراچی اور میرا پاکستان۔" وہ مسکرائی۔

موحد کو اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمکتے جگنو بہت اچھے لگے اور اس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ وہ ہمیشہ یوں ہی مسکراتی رہے اور پھر خود ہی حیران ہوا کہ وہ اس کے لیے اتنی اہم ہو گئی ہے کہ وہ اس کی مسکراہٹ اور اس کی خوشیوں کے قائم رہنے کی دعا کرنے لگا تھا۔ کیا سعد سچ کہتا ہے اور اگر ایسا

ہی ہے تو۔۔۔ اس نے چلتے چلتے رک کر اس کی طرف دیکھا۔ یہ لڑکی ایسی ہی ہے کہ اسے چاہا جائے اور اس کے ساتھ کی تمنا کی جائے۔ دل میں بہت خوش گوار احساس لیے وہ کافی کی مشین کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"ماما پلیز آپ یہاں بیٹھیں اور میری بات دھیان سے سنیں۔" ہشام نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں صوفے پر بٹھایا۔

"نہیں شامی پلیز تمہاری بات پھر سن لوں گی اس وقت مجھے قبرستان جانا ہے۔"

آپ اپنے آپ کو سنبھالیں وہ اتنی ہی زندگی لے کر آیا تھا۔ ہم سب نے اتنا ہی جینا ہے جتنا روز ازل کتاب میں لکھ دیا گیا۔"

وہ صبح دوپہر شام جب ان کا جی چاہتا مہر علی کو ساتھ لے کر قبرستان چلی جاتیں۔ عفان کی قبر سے لپٹ جاتیں اسے پکارتیں اتنا روتیں کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ آج صبح بھی ان کی حالت خراب ہو گئی تھی اور مہر علی بہت مشکل سے انہیں لایا تھا۔ جب سے عفان فوت ہوا تھا وہ ماما کی حالت کی وجہ سے گھر پر ہی تھا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ کالج گیا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا اور ماما لاؤنج میں بڑا سا دوپٹا اوڑھے جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

"میں وہاں ہی رہوں گی اس کے پاس۔ اندھیرے میں وہ بہت ڈرتا ہوگا۔" وہ ہشام کے ہاتھ گھٹنوں سے اٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔ ہشام حیرت زدہ سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری ماں پاگل ہو رہی ہے۔" میڈم نیلوفر کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"بلکہ وہ پاگل ہے۔" میڈم نیلوفر کی ہنسی جیسے اس کے اعصاب کو چٹخانے لگی۔ اس نے ماما کی طرف دیکھا جو زمین پر لٹکتا اپنے دوپٹے کا پلو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال رہی تھیں۔ ان کی نظریں سپاٹ تھیں اور ان میں عجیب سی چمک تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ اس منظر میں موجود نہ ہوں اور دور کہیں خلا میں تکتی ہوں۔

"ابنارمل بچوں نے اسے بھی ابنارمل بنا دیا ہے۔" نیلوفر کا تبصرہ۔

"نہیں میری ماما ابنارمل نہیں ہیں اور نہ ہی وہ پاگل ہیں۔" اس نے بے آواز کہا تھا اور کھڑا ہو گیا اس کے اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میڈم نیلوفر اس کی ماما کو پھر پاگل یا ابنارمل کہیں ان کی ماما اور محبت کا مذاق اڑائیں۔

"میں اچھی ماں نہیں ہوں بالکل بھی اچھی ماں نہیں ہوں۔" قدم آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے اپنی بات دہرائی تھی۔

"ہاں آپ اچھی ماں نہیں ہیں۔" ہشام بھی قدم بڑھا کر ان کے قریب آیا۔

"آپ کو صرف عفان اور انجو یاد تھیں۔ آپ نے کبھی میری طرف دیکھا نہیں کبھی میرا خیال نہیں کیا۔ آپ واقعی اچھی ماں نہیں ہیں ماما! اچھی مائیں تو اپنے سارے بچوں کا ایک جیسا خیال رکھتی ہیں' ایک جیسی محبت کرتی ہیں ان سے' لیکن آپ نہیں کرتیں۔ آپ کو صرف عفان کی پروا ہے جو منوں مٹی تلے سویا ہوا ہے۔" اس نے کن انکھیوں سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے ہونٹ لرز رہے تھے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور وہ ہشام کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" ان کے کپکپاتے لبوں سے نکلا تھا۔ اور وہ ساتھ ساتھ نفی میں سر بھی ہلا رہی تھیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں شام میں تم سے بھی بہت محبت کرتی ہوں۔ عفان اور انجو جتنی محبت' لیکن تم۔۔۔" انہوں نے ہشام کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم مجھے معاف کر دو شام تمہارے ساتھ میں نے جو زیادتی کی ہے اس زیادتی کے لیے مجھے معاف کر دو۔ اپنی ماں کو معاف کر دو۔ میں اچھی ماں نہیں ہوں' لیکن تم تو اچھے بیٹے ہو۔"

"نہیں معاف کروں گا میں۔ نہیں ہوں میں اچھا بیٹا۔" اس نے رخ موڑا اور ہاتھ چھڑا لیے۔ وہ متذبذب سی کھڑی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں وہ یونہی

رخ موڑے کھڑا رہا۔
"میں بہت بری ہوں۔ ناشکری ہوں۔ میں نے کبھی اللہ کا شکرادا نہیں کیا۔ عفان اور عجو کے ساتھ اس نے تمہیں بھی تو عطا کیا تھا میں نے تمہاری پروا ہی نہیں' عفان اور عجو کی فکر میں مرنے لگی۔ ان کی دیکھ بھال کر کے ان کا خیال کر کے میں اللہ کو راضی کرنے میں لگی رہی اور میں نے تمہارے ہونے کا شکرادا ہی نہیں کیا تو اللہ کیسے راضی ہوتا اس نے عفان کو لے لیا۔" وہ رونے لگیں بلند آواز میں اور ہشام کا صبر ختم ہو گیا۔

"ماما۔" وہ تڑپ کر مڑا۔ اور انہیں اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا۔

"تم... تم مجھ سے نفرت کرتے ہونا۔" ہشام کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"نہیں۔" اس نے اور مضبوطی سے انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"ماما میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ آپ میری پروا کریں نہ کریں لیکن مجھے آپ کی پروا ہے۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ مجھے اور عجو دونوں کو۔ عفان اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ یہ اللہ کی رضا تھی۔ اس کی مرضی تھی اس نے دیا تھا۔ اسی نے لے لیا۔ ہم دونوں آپ کے پاس ہیں وہ اگر ہمیں بھی لے لیتا مجھے اور عجو کو بھی۔"

"نہیں۔" انہوں نے تڑپ کر ہشام کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"نہیں ایسا مت کہو شام۔ تمہارے بغیر تم دونوں کے بغیر کیسے جیوں گی۔"

"مجھے اللہ کی رضا پر راضی ہونا کبھی نہیں آیا۔ میں نے ہمیشہ اللہ سے شکوہ ہی کیا۔ ہمیشہ ناراض رہی۔ ہمیشہ یہ..."

"ادھر دیکھیں۔" ہشام نے دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے رخساروں پر بہہ آنے والے آنسو پونچھے اور بات بدلی۔

"ادھر وہ عجو کو دیکھیں۔" عجو اپنے دروازے سے جھانک رہی تھی۔ اس کا چھوٹا سا سر مسلسل ہل رہا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔

"وہ ہمیں دیکھ رہی ہے۔ آپ کو پتا ہے ماما اس نے عفان کو بہت ڈھونڈا۔ بہت سارے دنوں تک وہ آدھی چاکلیٹ عفان کو دینے کے لیے مٹھی میں بند کر لیتی تھی۔ اس کے کمرے میں جا کر اسے ڈھونڈتی تھی۔ کبھی ادھر کبھی ادھر کبھی پردوں کے پیچھے جھانک کر لیکن اب اسے نہیں ڈھونڈتی اس کے لیے چاکلیٹ بھی نہیں رکھتی کیونکہ اس نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اب نہیں آئے گا۔ آپ بھی تسلیم کر لیں کہ وہ اب نہیں رہا۔ راضی ہو جائیں اللہ کی رضا پر۔" وہ بہت نرم لہجے میں آہستہ آہستہ بولتا ہوا ایک بازو ان کے گرد حمائل کیے انہیں صوفے پر لایا۔ اور انہیں بٹھاتے ہوئے خود بھی پاس بیٹھ گیا۔

"ہاں میں راضی ہوں اللہ کی رضا پر۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور ایک بار پھر آنسو ان کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"آپ کو ایک بات بتاؤں آپ دنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں۔ دنیا کی سب سے اچھی ماں اپنے بیٹے کے لیے کھانا لگوانے گئی اور دونوں ماں بیٹا مل کر کھائیں گے۔" ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"تم کالج سے آئے تھے۔ بھوکے ہو گے اور میں نے تمہارا ذرا بھی خیال نہیں کیا پھر بھی تم کہتے ہو میں اچھی ماں ہوں۔"

"ہاں۔ آپ اچھی ماں ہیں۔" وہ کھل کر مسکرایا۔

"شفو' شفو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور شفو کو بلاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں تو اس نے ریلیکس ہوتے ہوئے صوفے کی پشت پر سر ٹکتے ہوئے ٹانگیں پھیلائیں۔ دل کے اندر دور تک اطمینان پھیلا گیا۔

ماما اس کے لیے کھانا لگوانے کے لیے کچن میں گئیں۔ وہ بھول گئی تھیں کہ وہ کچھ دیر پہلے قبرستان جانے کی ضد کر رہی تھیں اور وہ یوں ہی صوفے کی پشت پر سر رکھے انہیں ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ شفو کی مدد سے کھانا لگوا رہی تھیں۔ اور

کتنے عرصے بعد آج وہ ماما کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھائے گا۔ انہوں نے اشارے سے اسے بلایا اور وہ مسکراتا ہوا ہاتھ دھو کر بیٹھ گیا۔۔۔ وہ اس کے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا نکال رہی تھیں اور اصرار کر کے اسے کھلا رہی تھیں اور یہ بہت خوش کن تھا۔ تب ہی بجو بھی کمرے سے نکل کر ان کی کرسی کے قریب کھڑی ہو گئی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس ہی کرسی پر بٹھا لیا۔ اور اس کے منہ میں بھی لقمے ڈالنے لگیں۔۔۔ وہ پہلے سر ادھر ادھر کرتی پھر منہ کھول دیتی۔ کتنے سالوں بعد وہ اس طرح اتنے سکون سے کھانا کھا رہا تھا۔

وہ اس کی طرف توجہ دے رہی تھیں اور مزید کچھ لینے کو کہہ رہی تھیں۔

"شفو۔" انہوں نے شفو کو آواز دے کر بجو کو اس کے کمرے میں لے جانے کو کہا۔۔۔ اور تاکید کی کہ اس کا منہ دھلا کر اس کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر کھیلو اور پھر سلا دو۔

"ماما آپ نے کچھ نہیں کھایا۔" ہشام بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے خود ہی ان کی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈالے اور چکن کا پیس رکھا۔

"تمہارے لیے قہوہ بناؤں شامی۔" کھانا کھا کر انہوں نے پوچھا تو ہشام نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پلیز۔" اسے ان کا اس طرح اپنی طرف متوجہ ہونا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اس نے انہیں عفان اور بجو کے لیے ہلکان ہوتے دیکھا تھا لیکن اس نے آج سے پہلے کبھی شکوہ نہیں کیا تھا۔ اسے ان سے کوئی شکوہ تھا ہی نہیں لیکن اگر آج وہ ان سے اس طرح شکوہ نہ کرتا تو وہ کبھی عفان کے غم سے باہر نہ آپاتیں۔ غم سے زیادہ وہ گلٹی تھیں۔ حالانکہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر بھی وہ ایسا سوچتی تھیں اسے یاد تھا بچپن میں ایک بار شاید اس نے ان سے کہا تھا کہ وہ عفان اور بجو سے زیادہ محبت کرتی ہیں تو انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں شامی۔ عفان اور بجو سے بھی زیادہ لیکن انہیں میری زیادہ ضرورت ہے کیونکہ وہ اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتے۔ اور پھر مجھے اللہ سے بھی بہت ڈر لگتا ہے۔ اگر میں نے ان کا خیال نہ رکھا تو اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا کہ میں نے اس کے عطا کردہ تحفوں کی قدر نہیں کی۔۔۔ پھر کیا پتا وہ کیسی سزا دے مجھے۔"

"شامی۔۔۔ قہوہ۔" ماما نے لاؤنج سے آواز دی تو وہ اٹھ کر لاؤنج میں آگیا۔

"تھینک یو ماما۔" اس نے اپنا قہوے کا کپ لیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

"شامی" انہوں نے قہوے کا سپ لیتے ہوئے ہشام کی طرف دیکھا۔

"بیٹا کیا تم نے اپنی ماں کو معاف کر دیا ہے؟"

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ماما۔" ہشام نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"ماما میں نے وہ سب صرف اس لیے کہا تھا کہ آپ اللہ کی رضا پر راضی ہو جائیں۔ اللہ کا شکر ادا کریں اس کے لیے جو اس نے دیا اور جو لے لیا اسے اللہ کی رضا جان کر صبر کر لیں۔"

"شامی" انہوں نے بھی اپنا کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"تم نے یہ اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے سیکھیں بیٹا۔"

"امل کی دادی کہتی ہیں کہ اللہ کو شکر گزاری بہت پسند ہے۔ وہ اپنے شکر گزار بندوں کو ہمیشہ نوازتا ہے۔ محبت کرتا ہے ان سے۔"

"امل کی دادی کیسی ہیں۔ امل کے جانے سے وہ بہت اکیلی ہو گئی ہیں۔ مجھے ان کے پاس جانا چاہیے لیکن میں۔۔۔ وہ کتنی بار آئی ہیں میرے پاس اور کتنی تسلی دیتی ہیں مجھے۔ شام میں ان سے ملنے جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے ماما شام کو چلیں گے۔ ابھی آپ قہوہ پی کر کچھ دیر ریسٹ کر لیں۔۔۔ کچھ دیر سو جائیں اور پھر فریش ہو کر میں آپ کو لے جاؤں گا دادی بہت خوش ہوں گی۔" اس نے اٹھ کر قہوے کا کپ انہیں پکڑایا

اور پھر قہوہ پی کر وہ خود انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔ واپسی پر اس نے عجو کے کمرے میں جھانکا تھا۔ وہ سو رہی تھی اور شفو اس کے بکھرے ہوئے کھلونے سمیٹ رہی تھی۔

"ماما سونے کے لیے چلی گئی ہیں تم بھی کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں چلی جانا۔" شفو کو ہدایت دے کر وہ کمرے میں آیا اور لیٹنے سے پہلے اس نے عبدالرحمٰن ملک کو فون کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ دن ملک ہاؤس آ کر رہیں اس طرح ماما کو سنبھلنے میں مدد ملے گی لیکن وہ حویلی جا رہے تھے۔

"کچھ دنوں کے لیے حویلی جا رہا ہوں ابھی راستے میں ہوں وہاں جا کر بات کروں گا اور تمہیں ایک اچھی خبر بھی سناؤں گا۔"

"کیسی خبر۔" وہ متجسس ہوا تھا۔

"حویلی جا کر تصدیق کر لوں پھر بتاؤں گا۔" عبدالرحمٰن کافی خوش لگ رہے تھے۔

"اور ہاں تمہاری ماما کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

"آج کچھ بہتر ہیں لیکن مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔۔۔ آپ اگر اس وقت ماما کے ساتھ ہوں گے تو وہ بہت جلد سنبھل جائیں گی۔"

"او کے یار حویلی سے واپسی پر آؤں گا۔" وہ ہشام کی بات نہیں ٹال سکتے تھے۔ ورنہ پچھلے دنوں وہ بے زار ہو گئے تھے۔۔۔ ہر وقت رونا دھونا۔

"تھینک یو ڈیڈی۔" اس نے فون بند کیا ہی تھا کہ شفو نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ بھئی کیا بات ہے۔"

"وہ جی میڈم نیلوفر آئی ہیں۔"

"تو انہیں بتا دینا تھا کہ ماما سو رہی ہیں۔" وہ جھنجلایا۔

"بتایا تھا جی لیکن انہوں نے کہا آپ تو ہیں نا۔ سٹنگ روم میں بیٹھی ہیں جی۔"

"اچھا تم جاؤ میں آتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے بال پیچھے کرتا ہوا سٹنگ روم میں آیا۔ میڈم نیلوفر ہمیشہ کی طرح آراستہ پیراستہ تھیں۔ ضرور کسی بیوٹی پارلر سے ہو کر آ رہی تھیں۔ ساتھ میں ان کا وہ بھائی بھی تھا جس سے وہ نیلوفر سے بھی زیادہ چڑتا تھا نیلوفر اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"کیسے ہو شامی۔"

"الحمدللہ"

"میں ادھر سے گزر رہی تھی تو سوچا کہ ذرا ادھر کی بھی خبر لے لیں۔ کیسی ہے تمہاری ماں اب۔"

"اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہیں۔ اور اس وقت سو رہی ہیں۔"

"ہاں بتایا تھا تمہاری ملازمہ نے۔"

"اور مسعود صاحب آپ کیسے ہیں۔" وہ مسعود صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے دانت نکالے۔

"وہ تمہاری پھپھو کی بیٹی نظر نہیں آئی آج کل۔۔۔ کیا نام تھا اس کا۔ امل۔ منہ میں پانی آ جاتا ہے۔۔۔ امل۔ امل۔" اس نے چٹخارا بھرا تو ہشام کا صبر جواب دے گیا۔

"شٹ اپ۔" اپنی غلیظ زبان سے میری کزن کا نام مت لو۔"

"واہ بھئی۔ ہم نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم ناراض ہو رہے ہو۔" ہشام نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے نیلوفر کی طرف دیکھا۔ عبدالرحمٰن کی وجہ سے وہ ان سے اخلاق برتنے پر مجبور تھا۔

"او کے میڈم میں تھکا ہوا کالج سے آیا ہوں۔۔۔ آپ بیٹھیں چائے پی کر جائیے گا۔ شفو آپ کو سرو کرتی ہے۔" اس نے شفو کی طرف دیکھا جو جوس کے گلاس ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ اور خود تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"تمہیں کہا تھا سودے کوئی فضول بات مت کرنا۔" اس نے سنا نیلوفر اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"ارے تو میں نے ایسا کیا کہہ دیا آپ جو بول رہی ہو۔" ہشام نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی

آواز سنی۔ وہ چلے گئے تھے۔

"امل۔" اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اپنے شوز کے تسمے کھولتے ہوئے زیر لب کہا۔ اور سیدھا ہوتے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی شام کے پانچ بج رہے تھے اس وقت وہاں دن کا ایک بجا ہوگا۔ اس نے بیڈ پر پڑا اپنا فون اٹھایا اور امل کا نمبر ملانے لگا۔ چوتھی بیل پر اس نے فون اٹھالیا تھا۔

"ہیلو امل کیسی ہو۔"

"شامی میں تو ٹھیک ہوں تم کیسے ہو اور ماما کیسی ہیں اب۔" اس کی آواز سے پریشانی جھلکتی تھی۔

"ہم سب ٹھیک ہیں امل اور ماما بھی بہت بہتر ہیں۔"

"شکر ہے۔" وہ یک دم خوش ہوگئی تھی۔

"میں بہت پریشان تھی تمہارے لیے۔ میں بہت روئی تھی کہ میں اتنی دور یہاں ہوں اور تم وہاں اکیلے اس دکھ کو برداشت کررہے ہوگے۔"

"امل تم بس ہمارے لیے دعا کرنا۔ کافی ہے۔"

"پتا ہے شامی۔" ہمیشہ کی طرح وہ اسے تفصیل بتانے لگی تھی۔

"میں عفان کا سن کر بہت اداس ہوگئی تھی تو موحد مجھے ساتھ لے گیا تھا گھمانے۔" شامی ہونٹ بھینچے خاموشی سے سن رہا تھا۔

"موحد نے ان دنوں میرا بہت خیال رکھا۔ اس روز بھی وہ اپنا کام چھوڑ کر میری اداسی دور کرنے کے لیے میرے ساتھ گیا تھا۔ سعد نے مجھے بعد میں بتایا تھا۔ بہت ضروری بکس دیکھنی تھیں اسے لائبریری میں۔"

"تم کیا کررہی ہو اب۔" پتا نہیں یہ موحد نامہ کب تک چلنا تھا اس لیے موحد نے بات کاٹی۔

"میں کچن میں ہوں۔ بریانی کی تیاری کررہی ہوں۔ رات سعد اور موحد ڈنر ہمارے ساتھ کریں گے۔ اور موحد کو بریانی بہت پسند ہے۔ جب تک اس کی ماما ٹھیک تھیں تو وہ ان سے فرمائش کرکے پکواتا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں بھی اس کی ماما کے ہاتھ جیسا ذائقہ ہے۔"

"تو تم نے بریانی پکانے کی خاطر آج یونیورسٹی سے چھٹی کرلی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی لیکن امل نے محسوس نہیں کیا۔

"نہیں آج میری کلاسز نہیں تھیں اور ہاں کل ہم برمنگھم جامیں گے دو تین دن کے لیے پاپا کے دوست ہیں نا انکل فاروقی ان کے ہاں کوئی فنکشن ہے اور پاپا کو کسی سیمینار میں بھی شرکت کرنا ہے۔"

"اوکے تم موحد کے لیے بریانی پکاؤ پھر بات ہوگی۔"

اس نے یک دم ہی فون بند کرکے بیڈ پر اچھال دیا اور خود بھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلیں۔ اور امل کے متعلق سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"احسن نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی اور میں سمجھتی تھی وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" ثمرین آج بڑے دنوں بعد دل سے تیار ہوئی تھی اور وہ سبین کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا چاہتی تھی اور اب سبین کی البم میں سے اپنی اور احسن کی تصویریں نکال نکال کر پھاڑ رہی تھی۔

"وہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے آپی۔" سبین نے سنجیدگی سے کہا اور البم بند کردی۔ اس واقعے کے بعد سبین بے حد سنجیدہ ہوگئی تھی۔ حالانکہ پہلے وہ بہت شوخ و شریر تھی۔

"نہیں محبت یہ نہیں ہوتی سبو کہ اس نے مجھے میری ذرا سی غلطی پر گھر سے باہر نکال دیا۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرتا تو مجھے گلے سے لگا لیتا اور میری غلطی معاف کردیتا۔"

"وہ ذرا سی غلطی نہیں تھی بجو۔" سبین نے اداسی سے کہا۔ ثمرین آٹھ ماہ گزرنے کے بعد بھی کبھی اس بچے کو یاد کرکے نہیں روئی تھی جسے وہ رات کے اندھیرے میں کہیں پھینک آئی تھی۔ ان آٹھ ماہ کے ہر دن میں اس نے صرف احسن کی بے وفائی کا رونا رویا تھا اسے پتھر دل اور ظالم کہا تھا لیکن اس نے خود اپنے

دل پر ہاتھ نہیں رکھا تھا کہ وہ کتنا بھر تھا۔

وہ احسن کی منتظر تھی جب طلاق کا پہلا نوٹس آیا تھا تو اس کے بعد فون کی ہر گھنٹی پر لپک کر فون تک جاتی تھی کہ ضرور احسن نے فون کیا ہو گا کہ وہ لوٹ آئے رجوع کرلے۔ گیٹ کی بیل ہوتی تو بھاگ کر لاؤنج سے نکل کر برآمدے تک آتی کہ ضرور احسن شرمندہ ہو کر اسے لینے آیا ہو گا لیکن ہر بار مایوسی ہوتی۔ احسن نے سامنے والا گھر فروخت کر دیا تھا۔ اسپتال کی جاب چھوڑ دی تھی جہلم میں ہر جاننے والے کو فون کر کے اس نے احسن کے متعلق پوچھا تھا لیکن کسی کو علم نہیں تھا۔ اگر علم ہو جاتا کہ وہ کہاں ہے تو ایک بار پھر وہ اس کے پاس جاتی اس کے قدموں پر گر جاتی' اماں کی منت کرتی۔ اماں دل کی نرم تھیں ضرور احسن کو منالیتیں لیکن احسن کا پتا نہیں چلا تھا اور دوسرا نوٹس بھی آگیا تھا اور پھر تیسرا بھی اس روز وہ تڑپ تڑپ کر روئی تھی۔

آج جیسے اس نے مجھ سے محبت کی ہی نہیں تھی۔

آج جیسے اس نے خود کو یقین دلایا تھا تو ٹھیک ہے مجھے بھی دکھ نہیں ہے۔ ثمرین ابھی اتنی گئی گزری نہیں ہے کہ احسن کی محبت میں جوگ لے لے اگر اسے میری پروا نہیں تھی تو میں کیوں اس کی پروا کروں۔ میں کیوں یاد کروں اسے۔

اور وہ بہت اچھے موڈ کے ساتھ اچھی طرح تیار ہو کر سبین کے کمرے میں آئی تھی اور یہاں سبین پتا نہیں کیوں البم کھولے بیٹھی تھی۔ "کتنے عرصہ بعد میرا جی چاہا تھا باہر جانے کو شاپنگ کرنے کو اور یہ تصاویر دیکھ کر میرا موڈ خراب ہو گیا ہے۔ سبین میں اب زندگی بھر اس شخص کو دیکھنا نہیں چاہتی۔"

"ہو سکتا ہے وہ بھی زندگی بھر آپ کو نہ دیکھنا چاہتے ہوں۔" سبین نے سوچا۔ "تب ہی اپنا آبائی گھر فروخت کر کے چلے گئے ہیں۔" اور ایک گہرا سانس لے کر ثمرین کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں آپ نے کیا شاپنگ کرنی ہے۔" وہ اس کی بہت پیاری بہن تھی اسے ثمرین سے بہت محبت تھی۔ وہ کئی ماہ سے اس کی حالت دیکھ رہی تھی۔ ہر وقت کمرے میں بند رہنا۔ فون کی گھنٹی پر دوڑ پڑنا۔ ممی ڈیڈی نے بھی اسے ہی برا بھلا کہا تھا۔ وہ بھی اسے ہی قصوروار سمجھتی تھی۔ جو ہونا تھا ہو چکا اور شاید ایسا ہی ہونا لکھا تھا مقدر میں۔

"ممی بتا رہی تھیں ماموں جان تمہاری شادی کی تاریخ لینے آ رہے ہیں تو میں نے سوچا کوئی نئے ڈیزائن کا ڈریس لے لوں۔ اور چہرہ بھی اتنا خشک ہو رہا ہے۔ ایک چکر پارلر کا بھی لگا لوں گی۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہی ہوں صرف جوتے پہننے ہیں۔"

"سبین تم خوش ہو نا اس رشتے سے۔"

"ہاں۔ ممی ڈیڈی نے یقیناً" میرے لیے بہتر ہی سوچا ہو گا۔"

سبین بہت خوش تھی اس نے والدین کی پسند پر سر جھکا دیا اور اپنے بڑے سب کے وہی ذمہ دار تھے۔ احسن نے اسے طلاق دے دی تھی تو وہ ممی ڈیڈی سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ وہ اس کی اپنی پسند تھا۔

"ماں باپ کے طے کیے رشتے زیادہ پائیدار ہوتے ہیں سب ہی؟" اس نے سبین سے پوچھا۔

"نہیں یہ کوئی حتمی بات نہیں ہے آپی۔ کہیں کہیں ماں باپ کے طے کیے ہوئے رشتے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔" سبین اس کے دل کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔

"اور احسن بھائی میں تو بہت خوبیاں تھیں مسئلہ صرف ذات برادری کا تھا لیکن جب اسے اگنور کر دیا گیا تو ممی ڈیڈی نے خوش دلی سے انہیں قبول کیا۔ بہت پسند کرتے تھے ڈیڈی احسن بھائی کو۔ بس ساری بات تقدیر کی ہے آپی۔"

"اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے سبین۔" اس نے پرنم آنکھوں سے دعا دی تھی۔ اس روز سبین کے ساتھ اس نے شاپنگ بھی کی پارلر بھی گئی اور انجوائے بھی کیا لیکن دل کے اندر کہیں سناٹا۔ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ کیا وہ کبھی احسن کو بھول پائے گی۔ اس نے خود سے پوچھا اور آنکھیں نم ہو گئیں۔ شاید کبھی نہیں۔

اور وہ... آج اتنے مہینوں بعد اسے اس کا خیال آیا تھا جسے ایک اندھیری طوفانی رات میں اس نے نیم دائرے کی شکل والے برآمدے میں چھوڑ دیا تھا۔

کیا پتا وہ زندہ ہو... کسی نے اٹھا لیا ہو اسے اور... اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اسے جہلم سے آئے آٹھ مہینے ہو گئے تھے اور احسن کو جہلم چھوڑے چھ ماہ ہو گئے تھے تقریباً" اور احسن جب تک جہلم رہا دیوانوں کی طرح اسے ڈھونڈتا رہا یہ بات وہ جانتی تھی... اور کیا پتا اس کے جانے کے بعد اس کے متعلق کچھ پتا چلا ہو۔ ایک بار مجھے پتا تو کرنا چاہیے۔ اگر وہ مل جائے تو آٹھ ماہ کا ہو گا اس وقت لیکن میں اسے پہچان لوں گی۔ وہ تو سب سے مختلف تھا۔ کٹے ہوئے ہونٹ اور اس نے جھرجھری سی لی۔

اور اگر وہ مل جائے تو اسے احسن کے حوالے کر کے سرخرو ہو جاؤں۔ اسے اس کا بچہ مل جائے گا تو وہ مجھے معاف کر دے گا۔ پھر ضرور پچھتائے گا وہ... مجھے اپنی محبت کو چھوڑنے پر اور اس کی خواہش تھی کہ وہ پچھتائے۔ اس نے جہلم جانے کا سوچا ہی نہیں بلکہ ممی اور سبین سے کہہ بھی دیا۔

"اب کیا فائدہ ثمو ملنا ہوتا تو تب ہی مل جاتا۔" ممی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"لیکن ممی پلیز ایک بار مجھے کوشش تو کرنے دیں ہو سکتا ہے اب..." اور سبین کو اس سے اس پر بڑا ترس آیا۔

"ٹھیک ہے ممی میں اور ثمرین آپی کل ہی جہلم چلے جاتے ہیں... دور ہی کتنا ہے جہلم دو تین گھنٹے کا تو سفر ہے۔" اور دوسرے ہی دن وہ جہلم تھیں۔ جہلم جہاں پہلی بار وہ احسن کے ساتھ آئی تھی۔ ایک ہوک سی دل میں اٹھی تھی اور آٹھ ماہ بعد وہ پھر اسی کالونی کے دروازے کھٹکھٹا رہی تھی۔ کئی ایک کو تو یاد بھی آگیا تھا۔

"ارے ہاں وہ ڈاکٹر صاحب کا بیٹا جسے کسی نے اغوا کر کے ہماری کالونی میں پھینک دیا تھا۔ بے چارہ بچہ۔" ایک خاتون نے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ اور

ثمرین کی حالت دیکھ کر سبین کے دل میں اس کے لیے جو خفگی تھی وہ خود بخود ہی ختم ہو گئی۔ انسان بہت کمزور مخلوق ہے۔ کبھی کبھی اپنے ہی جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور ثمرین کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ جہلم سے آکر کئی دن تک وہ افسردہ رہی۔ پھر سبین کی شادی کی تاریخ طے پا گئی اور گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں وہ بھی بدل گئی۔ اس روز سبین کی مہندی تھی۔ ثمرین جب تیار ہو کر آئی تو ایک لمحہ کے لیے ممی کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ وہ بے انتہا حسین تھی' اس میں کوئی شک نہیں تھا اور ہلکے سے حزن نے جو میک اپ کے اندر سے بھی جھلکتا تھا اسے اور بھی پرکشش بنا رہا تھا۔ حسن سوگوار

"تو کیا اب باقی کی عمر ثمرین یوں ہی گزار دے گی کیسے کٹے گا اتنا لمبا سفر۔" ثمرین کو سبین کے پاس بھیج کر انہوں نے راجہ صاحب کی طرف دیکھا۔

"نہیں ہم اسے ساری زندگی نہیں بٹھا سکتے۔ سبین کی شادی ہو جائے تو آپ ثمو کے لیے بھی کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر رخصت کر دیں۔ ہماری زندگیوں کا کیا بھروسا۔ بھائی کوئی ہے نہیں جس کی آس پر بیٹھی رہے۔"

"وہ مان جائے گی۔" ممی خوف زدہ تھیں جانتی تھیں احسن کے ساتھ شادی کے لیے کتنی ضد کی تھی اس نے اور کتنی محبت کرتی تھی وہ احسن سے۔

"اس نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ ہم ساری زندگی ساتھ نہیں رہیں گے۔ اسے ماننا ہی ہو گا۔"

"احسن نے بھی تو زیادتی کی ہے نا۔" وہ ماں تھیں ان کا دل ثمرین کے لیے روتا تھا۔ "کیا تھا اگر احسن تھوڑا دل بڑا کر لیتا۔"

"نہیں عالیہ بیگم احسن نے نہیں زیادتی ثمرین نے کی ہے اس کے ساتھ... وہ صرف ثمرین کا بیٹا نہیں تھا احسن کا بھی تھا اس کے متعلق تنہا فیصلہ کرنے کا حق ثمرین کو نہیں تھا اور وہ بھی اتنا ظالمانہ فیصلہ۔" تو آج پہلی بار ڈیڈی نے اس واقعے کے متعلق کچھ کہا تھا اور

واپس آتی ثمرین وہاں ہی ٹھٹک کر رک گئی۔
"تو..... تو کیا میں ظالم ہوں..... میں نے ظلم کیا۔"
"ابھی چند ماہ اور گزر جائیں تو پھر کسی سے بات کرنا ثمرین کے رشتے کی۔" ثمرین کو یاد ہی نہیں رہا کہ سبین کے کمرے میں جاتے جاتے وہ کیا پوچھنے کے لیے پلٹی تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی سبین کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی پارلر سے تیار ہو کر آئی تھی۔ وہ ڈائریکٹ ہال میں جانے کے بجائے گھر آئی تھی کیونکہ ماموں (سبین کے سسرال) کی فیملی کچھ دیر پہلے ہی ملتان سے پہنچے تھے اور ابھی اپنے ہوٹل میں تیار ہو رہے تھے۔
"بہت پیاری لگ رہی ہو سبی۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی چوم لی۔
"اللہ تمہیں فواد کے ساتھ ہمیشہ بہت خوش رکھے سبو۔ تمہارے بنا بہت اکیلی ہو جاؤں گی۔" اور سبین کا دل ثمرین کے لیے افسردہ ہوا اور اس نے دل میں ثمرین کے لیے بھی دعا کی کہ اللہ اسے بھی زندگی بھر ساتھ دینے کے لیے کوئی اچھا سا ساتھی دے دے۔ اور یہ شاید کوئی قبولیت کی گھڑی تھی کہ ملتان سے مہمانوں کے ساتھ آنے والے فواد کے ایک کاروباری دوست نے ثمرین کو پہلی نظر میں ہی پسند کر لیا۔ نکاح کے بعد جب وہ سبین کو اسٹیج پر بٹھا کر نیچے اتر رہی تھی تو اس کی اونچی ہیل کارپٹ میں الجھ گئی جو اسٹیج کی سیڑھی پر بچھا ہوا تھا وہ لڑکھڑائی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ گر جاتی دو ہاتھوں نے اسے تھام لیا تھا۔ یہ فواد کے ساتھ آنے والا اس کا ایک دوست تھا جو چند لمحے پہلے ہی فواد کے ساتھ اسٹیج تک آیا تھا۔
"شکریہ۔" سبین نے سنبھلتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وارفتہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ ثمرین جلدی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی لیکن اس کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ ثمرین کو یاد بھی نہیں رہا تھا کہ سبین کی مہندی والے دن کسی نے اسے گرتے ہوئے سنبھالا تھا لیکن وہ اسے نہیں بھولا تھا اس کا حسین سراپا تو جیسے اس کی نظروں میں بس گیا تھا۔ وہ لڑکی کس قدر حسین تھی۔ اتنا مکمل حسن، بارات اور ولیمہ پر بھی اس کی نظریں اسے اپنے حصار میں لیے رہیں۔
وہ فواد کی کزن اور اس کی بیوی کی بڑی بہن تھی اور یہ کہ اسے طلاق ہو چکی تھی۔ یہ ساری معلومات اس نے حاصل کر لی تھیں لیکن اس کے بعد اسے کیا کرنا تھا یہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن کب تک ایک روز وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر فواد کے پاس آ پہنچا وہ ملتان میں مستقل رہائش نہیں رکھتا تھا فواد سے اس کی ملاقات کاروبار کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ وہ عمر میں فواد سے چند سال بڑا تھا لیکن دونوں کے درمیان پچھلے دو سال سے دوستی کا مستحکم رشتہ بن چکا تھا اور وہ اس کا بزنس میں سلیپنگ پارٹنر بھی تھا۔ دو تین بار فواد اس کی آبائی زمینوں پر بھی جا چکا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ دل کی بات کہتے ہوئے جھجک رہا تھا۔
فواد اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔
"ارے آپ اچانک اتنی جلدی آپ سے ملاقات متوقع نہیں تھی۔"
"بس ادھر آیا تو سوچا آپ سے ملتا جاؤں۔ بھابھی کیسی ہیں۔"
"اللہ کا شکر ہے۔" وہ سبین کے لیے گفٹ بھی لے کر گیا تھا اور انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی لیکن اظہار مدعا نہ کر سکا۔ اور واپس آ گیا۔ ثمرین سے پہلے بھی وہ کئی لڑکیوں سے مل چکا تھا۔ لیکن کبھی اس طرح بے قرار نہیں ہوا تھا حالانکہ پچھلے ایک سال سے وہ دوسری شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ ماں جی کی بھی یہ ہی خواہش تھی کہ اولاد کی خاطر اسے شادی کر لینا چاہیے۔ اور اس کے لیے انہوں نے ایک دو لڑکیاں بھی دیکھی تھیں لیکن قرعہ فال ثمرین کے نام نکلا تھا۔
"فواد میں تمہاری کزن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ ایک بار فواد کے پاس آ پہنچا۔
"ثمرین سے۔"
فواد حیران ہوا۔

"ہاں۔"
"لیکن پتا نہیں وہ کرنا بھی چاہتی ہے یا نہیں۔ ابھی سال بھی نہیں ہوا اس کی طلاق کو۔ شادی کے صرف دو سال بعد علیحدگی ہو گئی تھی۔"
"مجھے اس سے غرض نہیں کہ طلاق کیوں ہوئی۔ اگر ثمرین کی فیملی میرا پرپوزل قبول کرلیتی ہے تو میرے لیے باعث اعزاز ہوگا۔" اور فواد نے متاثر ہو کر کہا۔
"ٹھیک ہے میں سبین سے بات کرتا ہوں وہ پھوپھو سے بات کرلے گی۔"
اور جب سبین نے ممی سے بات کی تو انہوں نے اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، ثمرین کے لیے اس سے بہتر کوئی اور رشتہ نہیں مل سکتا تھا۔ وہ فواد کی معلومات پر مطمئن تھیں پھر بھی سبین سے ملنے کے بہانے وہ راجہ صاحب کو لے کر فواد کے دوست کو بھی دیکھ آئی تھیں وہ خوش شکل تھا' خاندانی تھا۔ پیسے والا تھا اور کیا چاہیے تھا۔ راجہ صاحب کو بھی اعتراض نہ تھا۔ لیکن ثمرین نہیں مان رہی تھی۔
"ممی یہ تو سوچیں وہ پہلے سے شادی شدہ ہے۔"
"تو تم بھی تو شادی شدہ ہو ثمرین۔"
"لیکن اس کی بیوی بھی موجود ہے۔" ثمرین نے اعتراض کیا۔
"اس کے باوجود لوگ اپنی کنواری لڑکیاں بھی اسے خوش ہو کر دینا چاہتے ہیں اور اس نے کچھ چھپایا نہیں ہے صاف بتا دیا ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس کی چچازاد ہے وہ آبائی گھر میں رہے گی اور تمہیں وہ الگ گھر لے کر دے گا۔"
"نہیں ممی پلیز نہیں۔ میں شادی نہیں کرسکتی۔" وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اسے اس روز احسن بہت یاد آیا۔ احسن جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ احسن جس کے لیے اس نے ممی ڈیڈی کو ناراض کیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرے گی اور اب کسی اور سے کیسے؟ نہیں کبھی نہیں۔ ٹھیک ہے احسن نے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا ہے لیکن وہ احسن کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ جاب کرلے گی لیکن شادی نہیں کرے گی اور اپنے فیصلے سے مطمئن ہو کر وہ سو گئی۔

☆ ☆ ☆

"پاپا مجھے بولٹن واپس جانے سے پہلے اسپتال جانا ہے موحد کی ماما کو دیکھنے۔" امل نے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے شفیق احمد کو یاد دلایا۔
"مجھے یاد ہے بیٹا ابھی دو دن تو ہم یہاں ہیں' صبح مجھے برمنگھم یونیورسٹی میں ایک سیمینار میں شرکت کرنا ہے۔ وہاں سے واپس آکر تمہیں اسپتال لے جاؤں گا لیکن تم نے موحد سے سب پوچھ لیا تھا نا کہ کون سا اسپتال ہے اور۔" شفیق احمد نے کوٹ اتار کر وارڈروب میں لٹکایا۔ اور نیچے کارپٹ پر رکھے بیگ کو اٹھا کر بیڈ پر رکھا۔
"موحد ادھر ہی ہے پاپا۔ میں اسے فون کروں گی تو وہ پک کرلے گا مجھے۔"
"یہ تو اچھی بات ہے میں مصروف ہوں گا تو تم ادھر اسپتال سے ہو آنا۔" انہوں نے بیگ کی زپ کھول کر نائٹ سوٹ نکالا اور واش روم چلے گئے۔
وہ آج صبح ہی ٹرین سے برمنگھم پہنچے تھے تقریباً بولٹن سے چار ساڑھے چار گھنٹے کا سفر تھا۔ موحد ان سے ایک دن پہلے ہی آگیا تھا۔ وہ سیدھے پاپا کے دوست انکل فاروق کے گھر آئے تھے شفیق احمد نے اسے بتایا تھا کہ وہ جب بھی برمنگھم آتے تھے فاروق کے گھر ہی ٹھہرتے تھے۔ انکل فاروق کی فیملی میں ان کے دو بیٹے تھے اور بیٹی اور داماد پاکستان سے آئے ہوئے تھے۔ بیٹی کی شادی چونکہ پاکستان میں ہوئی تھی اس لیے اسی سلسلے میں انہوں نے اپنے جاننے والوں کو ڈنر پر انوائٹ کر رکھا تھا۔ امل نے اس ڈنر پارٹی کو انجوائے کیا تھا۔ زیادہ لوگ نہیں تھے۔ سب ہی اچھی طرح امل سے ملے تھے اور اتنے دنوں بعد اتنے سارے پاکستانی لوگوں سے مل کر اسے اچھا لگا تھا۔

"امل بیٹا کیسا لگا تمہیں سب سے ملنا۔" شفیق احمد کپڑے تبدیل کر کے آگئے تھے اور وارڈ روب کے سامنے کھڑے تھے۔

"بہت اچھا پاپا۔ سب لوگ بہت اچھے تھے اور ڈاکٹر احسن کی بیٹی تو بہت کیوٹ ہے اور بہت جلدی مجھ سے بے تکلف ہو گئی تھی ابھی ابھی اس نے اپنا او لیول کمپلیٹ کیا ہے۔ اس نے مجھے گھر آنے کی بھی دعوت دی ہے لیکن ڈاکٹر احسن کچھ عجیب سے لگے مجھے کیا آپ کو نہیں لگا پاپا کہ وہ کچھ سائیکی سے ہیں۔" ہمیشہ کی طرح اس نے بلا تکلف اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ڈاکٹر احسن بہت اچھے انسان ہیں۔" شفیق احمد وارڈ روب میں کپڑے ہینگ کر کے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئے۔ امل نے کمرے میں نظر ڈالی۔ کمرے میں دو سنگل بیڈ دائیں بائیں دیوار کے ساتھ بچھے تھے۔ درمیان میں شیشے کی ٹاپ والی کافی ٹیبل تھی پردے کارپٹ خوب صورت تھے۔

"ڈاکٹر احسن بہت اچھے انسان ہیں لیکن ہر انسان کی کوئی کمزوری ہوتی ہے اور ان کی بھی ایک کمزوری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے معاملے میں اپنی بیوی پر ٹرسٹ نہیں کرتے اور ایسا کرتے ہوئے وہ بعض اوقات سائیکی لگتے ہیں۔ دو بچے ہیں ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی.... بیٹا دس گیارہ سال کا ہے۔ سات سال پہلے میری احسن سے یہاں فاروق کے گھر میں ہی ملاقات ہوئی تھی اور میں نے اسے ہمیشہ بہت اچھا پایا۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"یقیناً" ڈاکٹر احسن کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا۔ وہ انکل فاروق کے روکنے پر بھی نہیں رکے تھے۔"

"نہیں وہ محسن گھر پر ہے میں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ اسے ٹمپریچر تھا۔ اس لیے چھوڑنا پڑا۔" انکل فاروق کے روکنے پر انہوں نے کہا تھا۔

"لیکن بھابھی بھی تو گھر پر ہیں یار کیا وہ خیال نہیں رکھیں گی محسن کا۔" کسی نے کہا تھا۔

"نہیں عورتیں بڑی لاپروا ہوتی ہیں ہو سکتا ہے مجیبہ اسے گھر اکیلا چھوڑ کر شاپنگ کے لیے چلی جائے اور محسن کی طبیعت خراب ہو جائے۔" وہ کافی بے چین اور مضطرب لگ رہے تھے۔

"ارے یار وہ عورت نہیں صرف 'ماں' بھی ہے۔"

"ماں" ان کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ آئی تھی وہ شاید کوئی سخت بات کہتے کہتے رک گئے تھے اور پھر لمحہ بھر بعد آہستگی سے بولے تھے۔

"آج کل کی مائیں انتہائی ناقابل اعتبار ہوتی ہیں۔ ان کی اپنی خواہش اتنی زود آور ہوتی ہیں کہ بچے ان کی نظروں میں اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔" کسی اور نے ان کی بات شاید نہ سنی ہو لیکن امل نے سنی تھی کیونکہ وہ ان کی بیٹی اسما کے پاس بیٹھی تھی اور وہ اس کے پاس ہی کھڑے تھے۔

"چلو اسمی۔" انہوں نے اسما کو اٹھنے کے لیے کہا تھا۔

"مگر پاپا آپ نے تو باہر سے لاک کر دیا تھا ماما نے کہاں جانا ہے اور ساری چابیاں بھی آپ کے پاس ہیں۔" اسما نے بے حد آہستگی سے کہا تھا جیسے سرگوشی کی ہو لیکن وہ اتنی قریب تھی کہ اس نے اسما کی بات بھی سن لی تھی اور حیران ہوئی تھی۔

"وہ گھر کے اندر رہ کر بھی تو غافل ہو سکتی ہے۔ نقصان پہنچا سکتی ہے اسے۔" ڈاکٹر احسن کا لہجہ بھی سرگوشی جیسا تھا۔

"ویسے تمہارا دل چاہ رہا ہے رکنے کو تو رک جاؤ فاروق تمہیں چھوڑ جائے گا۔"

"نہیں۔" اسما کھڑی ہو گئی تھی اس نے محسوس کیا تھا کہ اس ہنستی مسکراتی لڑکی کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

اس کا جی چاہا تھا وہ ڈاکٹر احسن سے بات کرے اور پوچھے کہ وہ ماؤں کے متعلق اتنے تحفظات کا کیوں شکار ہیں۔ اور انہیں قائل کرے اور بتائے کہ ماں سے زیادہ بڑھ کر کوئی اور بچے کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی ماں سے بڑھ کر کوئی اور بچوں کا خیال رکھ سکتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر احسن اسما کو لے کر چلے گئے تھے کاش ایک بار پھر ڈاکٹر احسن سے ملاقات ہو تو وہ بتائے

انہیں، اپنی ماں کے متعلق، کیسے انہوں نے اپنے اِنبارمل بچوں کی خاطر اپنی ہر خواہش تج دی ہے اور وہ خواہ مخواہ ماں پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔

اس نے اپنے بیڈ پر لیٹتے ہوئے سوچا تھا اور نہیں جانتی تھی کہ اس کی یہ خواہش اگلے روز ہی پوری ہو جائے گی یہ الگ بات کہ وہ ماں کی وکالت نہ کر سکے گی۔ صبح شفیق احمد کے جانے سے پہلے ہی موحد اسے لینے آگیا تھا۔

"میں کچھ دیر بیٹھوں گا۔ کم از کم دو گھنٹے تم بور تو نہیں ہو جاؤ گی نا۔" راستے میں موحد نے پوچھا تھا تو اس نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"کیا ماؤں کے پاس بیٹھ کر بھی کوئی بور ہوتا ہے موحد۔"

راستے میں سے ایل نے ان کے لیے پھولوں کا بکے خریدا تھا۔

"ماما کوئین الزبتھ اسپتال میں ہیں۔" راستے میں موحد نے اسے بتایا تھا۔

"بہت بڑا اسپتال ہے کوئین الزبتھ اسپتال برمنگھم۔ اس میں لیور، ہارٹ اور لنگز کی ٹرانسپلانٹیشن بھی ہوتی ہے۔ اور ایک کریٹیکل ایریا یونٹ ہے سویڈز کا اس نے تفصیل بتائی تھی۔"

"اور میرے پاپا بھی یہاں اسی اسپتال میں جاب کرتے ہیں۔ اور ماما جب ٹھیک تھیں تو وہ بی۔ ایم۔ آئی پرائیویٹ ہیلتھ کیئر میں جاب کرتی تھیں۔" موحد کے ساتھ اسپتال جاتے ہوئے وہ مسلسل موحد کی ماما کے متعلق سوچتی رہی تھی اور موحد کے لیے اس کا دل گداز ہو رہا تھا۔

"ماں جیسی ہستی کو اس طرح دیکھنا کتنا تکلیف دہ ہے نا موحد۔" ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے موحد سے کہا اور پھول بیڈ کے قریب پڑی چھوٹی سی ٹیبل پر رکھ دیے۔ موحد ان کے بیڈ کے پاس کھڑا تھا ساکت اس نے ایل کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ اور یہ امید و بیم کی کیفیت اور زیادہ اذیت ناک ہے۔ اس نے سوچا تھا اور انہیں دیکھنے لگی تھی۔ وہ موحد جیسی نہیں تھیں موحد یقیناً اپنے بابا پر گیا تھا لیکن بالکل ساکت وجود کے ساتھ بھی وہ اسے "ماں" جیسی لگیں۔ یقیناً وہ شفقت و محبت کا پیکر ہوں گی موحد جیسے اس کی موجودگی سے بے خبر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

"ماما۔" اس نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"سوری مام میں بہت دن نہیں آسکا۔ مجھے پتا ہے آپ نے میرا انتظار کیا ہوگا۔ آپ مایوس ہوئی ہوں گی۔ آپ کو دکھ بھی ہوا ہوگا۔" وہ ہولے ہولے کہہ رہا تھا اور وہ ساکت پتھر کی طرح لیٹی تھیں۔ مختلف نلکیوں کے ذریعے دوائیں اور خوراک ان کے اندر جا رہی تھی پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا اسے احساس نہیں ہوا موحد نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ رو رہی تھی موحد کی باتیں سن کر آنسو خود بخود ہی اس کی آنکھوں سے نکل آئے تھے اور اس کے رخسار بھیگتے جا رہے تھے۔ ایل اس کی مام کے لیے رو رہی تھی۔ موحد کا دل گداز ہوا۔

"ایل چلیں۔" اس نے چونک کر اپنے رخسار صاف کیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اللہ حافظ ماما۔" ایل نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے یقین ہے آپ ہمیں محسوس کر رہی ہیں۔ آپ ان پھولوں کی خوشبو بھی محسوس کر رہی ہیں اور آپ موحد کے آنے سے بہت خوش ہیں۔" موحد کی خوب صورت آنکھوں میں ایل کے لیے ستائش تھی اور حیرت۔

"دیر تو نہیں ہو گئی ایل۔" کوریڈور میں چلتے ہوئے موحد نے معذرت طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا کوئی معجزہ ہوگا موحد کیا کبھی مما اٹھ کر بیٹھ جائیں گی۔ وہ تمہیں دیکھیں گی تم سے بات کریں گی۔" اور اس کی آواز بھرا گئی۔

"پتا نہیں۔" وہ مایوس سا تھا۔

وہ جب بھی مما سے مل کر آتا تھا یوں ہی مایوس سا ہو جاتا تھا لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد امید پھر دل کی زمین پر سے سر اٹھا لیتی تھی اور ہولے ہولے امید کے اس پودے پر پہلے کونپلیں پھوٹتیں اور پھر پھول لہلہانے لگتے۔ وہ پھر سے امید کا دامن تھام لیتا تھا۔ بابا

نے اسے بتایا تھا کہ میڈیکل کی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جب سات سال آٹھ سال کومے میں رہنے کے بعد مریض ہوش میں آگیا ہو۔

"تمہارے بابا بھی تو اسی اسپتال میں ہیں نا۔ کیا ان سے نہیں ملواؤ گے موحد۔" امل نے اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا اور اس کا خیال بٹانے کے لیے کہا۔

"ہاں لیکن آج ان کا آپریشن ڈے ہے وہ اس وقت تھیٹر میں ہوں گے۔ تم ابھی رکو گی نا یہاں تو پھر کسی دن بابا سے ملوادوں گا۔"

"نا نہیں بابا کہہ رہے تھے آج ان کا کام ختم ہو گیا تو شاید کل نکل جائیں۔"

"میں بھی سوچ رہا ہوں کل چلا جاؤں۔ سعد دوبار فون کر چکا ہے۔ ہم نے اسی ہفتے اپنا پراجیکٹ مکمل کرنا ہے ابھی اسپرنگ لیوز (بہار کی چھٹیاں) ہوں گی تو تم آنا اپنے بابا کے ساتھ پھر تمہیں برمنگھم دکھاؤں گا سارا اور بابا سے بھی ملواؤں گا۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"شیور۔ انکل فاروق اور ان کی مسز نے بھی بہت اصرار کیا ہے کہ موسم بہار کی چھٹیاں ان کے ساتھ گزاروں۔" امل نے کہا۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے پارکنگ میں آگئے تھے اچانک ہی امل کی نظر ڈاکٹر احسن پر پڑی جو ایک گاڑی سے اترے تھے۔ اور ایک خاتون ان کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"وہ دیکھو موحد ڈاکٹر احسن ہیں انکل فاروق کے ہاں ڈنر میں آئے ہوئے تھے۔ ان کی بیٹی بھی تھی ان کے ساتھ سولہ سترہ سال کی۔ لیکن بہت میچور۔" وہ موحد کو ڈاکٹر احسن کے متعلق بتاتے ہوئے ان کے قریب آئی تھی۔

"السلام علیکم انکل۔" ڈاکٹر احسن نے جو اس خاتون سے بات کررہے تھے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے مجھے شاید پہچانا نہیں۔ میں امل شفیق ہوں۔ کل انکل فاروق کے گھر ملاقات ہوئی تھی۔"

"اوہ ہاں یہاں کیسے آنا ہوا۔ اسما بہت ذکر کرتی رہی ہے آپ کا۔" ڈاکٹر احسن کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"میں موحد کی ماما سے ملنے آئی تھی وہ یہاں ایڈمٹ ہیں۔"

"موحد۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں.... یہ موحد بولٹن میں پڑھتے ہیں اور ان کے بابا ڈاکٹر ہیں یہاں اسی اسپتال میں۔" امل کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ موحد کا تعارف کیسے کرائے اور ڈاکٹر احسن بے خیالی میں موحد کو دیکھے جارہے تھے۔ دل ہی دل میں انہوں نے اس وجیہہ لڑکے کو سراہا تھا۔ موحد نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے ڈاکٹر احسن نے گرم جوشی سے تھام لیا۔

"آپ کے بابا کا کیا نام ہے؟"

"ڈاکٹر عثمان ملک۔"

"ارے آپ سرجن عثمان ملک کے بیٹے ہیں۔"

"جی۔" موحد مسکرایا۔

"کئی بار ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ بہت ذکر کرتے ہیں وہ آپ کا۔" ڈاکٹر احسن نے ساتھ کھڑی خاتون کی طرف دیکھا۔

"یہ میری مسز ہیں محسنہ۔" امل نے بے یقینی سے انہیں سلام کیا اور باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر احسن بے حد وجیہہ اور پرکشش انسان تھے جبکہ محسنہ بہت عام سی شکل و صورت کی تھیں۔ اسما یقیناً" اپنے بابا پر گئی تھی۔

"بیٹا گھر پر آؤ نا کسی دن اسما تمہارا بہت ذکر کرتی رہی۔ رات واپس آنے کے بعد۔"

"جی ابھی تو شاید کل واپس چلی جاؤں۔ پھر آئی تو ضرور آؤں گی مجھے خود اسما بہت اچھی لگی ہے۔" پتا نہیں ڈاکٹر احسن یہاں جاب کرتے تھے یا کسی کام سے آئے تھے اس نے سوچا۔

"میں نے شفیق بھائی سے کہا تھا کہ اگر وہ رکیں تو ایک روز ہمارے ساتھ ڈنر کریں۔"

"جی ضرور۔" امل انہیں خدا حافظ کہہ کر موحد کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

"پتا ہے موحد رات سونے سے پہلے میں سوچ رہی تھی کہ اگر میری ڈاکٹر احسن سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں ان سے ضرور پوچھوں گی کہ وہ ایک ماں پر ٹرسٹ کیوں نہیں کرتے کہ وہ اپنے بچوں کی بہتر دیکھ بھال کرسکتی ہے لیکن اب یہاں پارکنگ میں تو ایسی بات پوچھنا اکورڈ (بھونڈا) سا لگتا ہے نا۔ ہیں نا۔" اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے موحد کی طرف دیکھا۔

"مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا موحد کہ "ماں" جیسی ہستی کے متعلق کوئی اتنا بے یقین ہو۔" وہ موحد کو ساری تفصیل بتانے لگی تھی۔

"تو تم ان کی رائے بدلنا چاہتی ہو۔"

"ہاں۔" اس نے سرہلایا۔

"تمہیں یقین ہے کہ تم ان کی رائے بدل دو گی ہوسکتا ہے ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ۔۔۔"

"ہوسکتا ہے۔" امل نے اس کی بات کاٹی۔

"لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ محفل میں اپنے ایسے خیالات کا اظہار کریں جو سراسر ان کا ذاتی مشاہدہ یا تجربہ ہو۔ ماں تو ماں ہوتی ہے موحد اور اس سے بڑھ کر بھلا کون اپنے بچوں کا خیر خواہ ہوسکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو امل۔" موحد کو اس سے اتفاق تھا۔

"لیکن ہر آدمی اپنے تجربے کی نظر سے دیکھتا ہے۔ چیزوں اور انسانوں کو۔۔۔ اب کہیں کھانے کے لیے چلیں۔"

"نہیں آج صبح بہت ہیوی ناشتا کیا تھا۔ آنٹی نے پراٹھوں اور آملیٹ کے ساتھ نہاری بھی بنا رکھی تھی۔"

"تو۔۔۔" موحد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے انکل فاروق کے گھر ہی ڈراپ کردو آج مجھے ہشام کو بھی فون کرنا ہے۔ ہمیشہ وہی فون کرتا ہے میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ برمنگھم جاکر اسے خود فون کروں گی۔"

"میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ تم اتنی دیر سے میرے ساتھ ہو اور ابھی تک ہشام کا ذکر نہیں کیا۔" موحد کا لہجہ بے حد سادہ تھا۔

"ہاں وہ دراصل میں سارا ٹائم تمہاری مما کے متعلق سوچتی رہی کہ کچھ ایسا ہوجائے کہ تمہاری مما بالکل پہلے جیسی ہوجائیں اور پھر ڈاکٹر احسن آگئے تو ہشام کا خیال ہی نہیں آیا۔" امل کا لہجہ بھی بے حد سادہ اور معصوم تھا۔

"پتا ہے موحد میں کبھی کبھی اپنی ماما کے متعلق بھی سوچتی ہوں کہ کیا خبر کسی روز وہ اچانک آجائیں اور اگر کہیں میں تو زندہ ہوں وہ تو کوئی اور تھی جو مرگئی۔"

"تم خواب بہت دیکھتی ہو امل۔ جاگتے میں خواب۔"

"ہاں۔" وہ مسکرائی۔ اس کی سبزی مائل خوب صورت آنکھوں میں نمی سی تھی۔

"ہاں بہت خواب دیکھتی ہوں صرف ماما کے متعلق ہی نہیں عفان، ہجو اور شامی کے متعلق بھی۔"

"ہشام کے متعلق کیا خواب دیکھتی ہو تم۔" بظاہر وہی سادہ سا انداز تھا لیکن اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہوگئی تھی اور دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

"یہ کہ۔۔۔" امل گود میں رکھے پرس کی زپ کھول رہی تھی اس کے فون کی بیل ہو رہی تھی اس نے فون باہر نکالا۔

"وہ۔ شامی کا فون ہے۔ بہت ناراض ہو رہا ہوگا میں نے رات فون نہیں کیا۔"

"ہاں۔۔۔ ہیلو۔" اس نے فون اٹینڈ کیا۔

"سوری ناراض مت ہونا۔ میں بس اب تمہیں فون کرنے ہی لگی تھی جی۔ خبردار جو تم نے منہ سجایا۔ اور ناراض ہونے کی کوشش کی۔ تمہیں پتا ہے نا۔ میں تمہاری ناراضی بالکل بھی برداشت نہیں کرسکتی ہاں نا۔" وہ بات کر رہی تھی اور موحد ہونٹ بھینچے سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دو تین بار اس نے کن

آنکھوں سے امل کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے گفتگو میں مگن تھی اور بہت خوش لگ رہی تھی۔ آنکھوں کی چمک' لبوں کی مسکراہٹ بتارہی تھی کہ اسے ہشام کتنا عزیز ہے۔ موحد کے دل پر اداسی کا غبار سا پھیل گیا۔ پتا نہیں کیوں؟ اگر وہ اپنے کزن سے بات کرتے ہوئے خوش ہو رہی تھی تو یہ فطری بات تھی۔ پھر اسے کیوں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے خود سے پوچھا۔

"تو کیا سعد۔ صحیح کہتا ہے کہ میں موحد عثمان' امل شفیق سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

"نہیں۔" اس نے پہلے کی طرح خود کو جھٹلایا اور ایکسیلیٹر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ امل نے چونک کر ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا اور پھر باتوں میں مصروف ہوگئی۔

☆☆☆

وہ مانچسٹر اسٹور سے سامان خرید کر باہر نکلی تو اسے سعد اور موحد آتے دکھائی دیے۔

"ہے تم اکیلے اکیلے شاپنگ کر رہی ہو۔ کم از کم ہمیں آواز دے دیتیں۔" سعد نے قریب آکر کہا۔

"جانتی ہو کہ ہم تمہارے مشورے سے ہی کچھ خریدنا چاہتے تھے۔"

"نہیں۔ یہ تو میں نہیں جانتی تھی کہ تمہیں میرے مشورے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی میں نے نہ صرف یہ کہ ڈور بیل دی بلکہ فون پر بھی ٹرائی کیا لیکن تم تو گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے تھے۔"

"ہاں بس وہ کل اتنا تھک گئے تھے کہ فون تو ہم نے بند کر رکھے تھے اور بیل کی آواز ہمیں آئی نہیں۔ ویسے تم انتظار تو کر سکتی تھیں نا۔" سعد نے وضاحت کرنے کے ساتھ ہی گلہ بھی کر دیا۔

"سوری۔" اس نے موحد کی طرف دیکھا جو خاموش کھڑا تھا۔

"دراصل مجھے پاپا کے ساتھ کہیں جانا تھا۔"

"اچھا۔" موحد کے لبوں سے نکلا۔ "پاپا کے ایک کولیگ ہیں۔ یہاں ہی بولٹن میں ان کی طرف جانا ہے۔"

"لیکن ملی۔" سعد نے خود ہی اس کا نام مختصر کر دیا تھا۔ "میں تو سوچ رہا تھا کہ اپنے حصے کی ڈش تم سے بنواؤں گا یہ موحد تو اچھا خاصا کک ہے لیکن مجھے ککنگ نہیں آتی۔ آئی مین اچھی ککنگ۔"

"تو انٹرنیشنل ایوننگ تو کل ہے نا تو کل صبح صبح بنالیں گے جو کچھ بنانا ہے۔ آج تو میں صرف خریداری کے لیے آئی تھی۔"

"ہم بھی اسی لیے آئے ہیں ویسے تم کیا بنا رہی ہو۔"

"شامی کباب۔"

"موحد کا ارادہ بھی کچے قیمے کے کڑاہی کباب بنانے کا ہے۔ ایک میں بے چارہ رہ گیا ہوں اور مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آرہی کہ کیا بناؤں۔" سعد نے ہونٹ لٹکائے۔

"تمہارے لیے بھی سوچ لیں گے بھائی تم فکر مت کرو۔" امل مسکرائی۔

"پہلے جو لینا ہے وہ لے لو۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ پہلے شاپنگ کر لیں۔ موحد لسٹ تمہارے پاس تھی نا۔" وہ موحد کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں۔" موحد چونکا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" امل اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"کیا پریشان ہو کچھ۔ ماما اور پاپا تو ٹھیک ہیں نا۔"

"ہاں رات ہی بابا سے بات ہوئی تھی۔ سب ٹھیک ہے شاید تھکن ہو گئی ہے۔"

"ہاں تھک تو میں بھی بہت گئی تھی لیکن صبح جب اٹھی تو فریش تھی۔" "تم تو فرسٹ ٹائم گئی ہو بہت انجوائے کیا ہوگا۔" موحد نے مسکرانے کی کوشش کی۔ پتا نہیں کیوں دل اندر سے بجھا بجھا تھا یا وہ واقعی تھک گیا تھا۔ حالانکہ وہ زیادہ گھومے نہیں تھے۔ یونیورسٹی کے چند دوستوں کے ساتھ کل وہ تفریح کے لیے مانچسٹر گئے تھے۔ امل نے وہاں Factor

Chill میں بہت انجوائے کیا تھا۔ خاص طور پر بچوں والے حصے میں جا کر تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ اسکائی اسنو بورڈ کیمپس بیوٹیز میں اسکیٹنگ کرتے ہوئے بچے مسلسل گرتی برف کا منظر۔ پورا برف کا شہر تھا۔

"ہاں بہت انجوائے کیا۔" اہل مسکرائی۔

وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اسٹور کی طرف جا رہے تھے۔

"تو کیا ڈاکٹر احسن کے ہاں بھی گئے تھے۔ آپ لوگ تم نے بتایا نہیں۔"

"نہیں جا سکے، لیکن بابا نے پھر جانا ہے۔ اگلے ماہ یونیورسٹی آف برمنگھم میں کوئی لیکچر ہے ان کا۔"

"یہ تو بالکل کوئین الزبتھ اسپتال کے نزدیک ہے۔" موحد نے بتایا تو اہل نے فوراً" کہا۔

"تب پھر میں دوبارہ تمہاری ماما سے ملنے جاؤں گی تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں بھلا مجھے کیوں اعتراض ہو گا۔" موحد نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھی۔ سعد نے باسکٹ میں سامان رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر ریک سے مطلوبہ سامان اٹھانے لگا۔

"تم وہاں بھی تو ایڈمیشن لے سکتے تھے موحد۔"

"ہاں لیکن بابا کی خواہش تھی کہ میں بولٹن میں ایڈمیشن لوں یہاں مکینیکل انجینئرنگ کی ایجوکیشن بہت اچھی ہے۔"

"ویسے تمہیں تو ڈاکٹر بننا چاہیے تھا۔" اہل نے پاکٹ سے چیونگم نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"کیوں۔" چیونگم لیتے ہوئے موحد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے ماما اور بابا دونوں ڈاکٹر ہیں نا اس لیے۔"

"انہوں نے مجھے فورس نہیں کیا۔ میرا رجحان نہیں تھا۔ میں نے اپنی مرضی سے انجینئرنگ کا انتخاب کیا۔" سعد اب ٹرالی میں سامان رکھے کاؤنٹر کی طرف جا رہا تھا۔ "سعد نے تو اپنی شاپنگ کمپلیٹ کر لی۔ تمہیں تو کچھ نہیں لینا تھا۔" اہل نے اسے کاؤنٹر کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں لسٹ میں سب لکھا تھا۔" اہل کو آج موحد معمول سے زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"تم مجھے بہت اپ سیٹ لگ رہے ہو موحد کیا بات ہے۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔"

"واقعی کوئی بات نہیں ہے یا تم بتانا نہیں چاہتے۔"

"میں نے تم سے کبھی کوئی بات چھپائی تو نہیں ہے۔" موحد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں بس فون نمبر غلط بتایا تھا۔" اہل ہنسی۔

"اہل تمہاری ہنسی بہت خوب صورت ہے۔" بے اختیار موحد کے لبوں سے نکلا تھا لیکن پھر فوراً" ہی اس نے معذرت کی۔

"سوری تمہیں برا تو نہیں لگا اہل۔ تم ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہو۔ بڑی پیور ہنسی ہے تمہاری تو بے اختیار کہہ بیٹھا۔"

"مجھے کیوں برا لگے گا موحد بھلا اپنی تعریف بھی کسی کو بری لگتی ہے۔" اس کی سبز آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

"ویسے یہ دراصل میری نہیں تخلیق کار کی تعریف ہے جس نے مجھے تخلیق کیا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ سارا کمال خالق کا ہے۔ میں بھی تو تمہاری تعریف کرتی رہتی ہوں۔ کیا تمہیں برا لگتا ہے۔"

"نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"تم میری تعریف تھوڑی کرتی ہو۔ یہ تو پیدا کرنے والے کی تعریف ہے۔" اس نے اس کی بات دہرائی تو اہل مسکرا دی۔

"میں سمجھتی تھی اللہ نے صرف شاہی کو اتنا خوب صورت بنایا ہے لیکن جب تمہیں دیکھا تو حیران رہ گئی۔ تم بالکل شاہی جیسے لگتے ہو مجھے۔ کہیں کوئی مشابہت ہے تم دونوں کی۔ عام طور پر لڑکے اتنے خوب صورت نہیں ہوتے۔ شاہی میرے خوب صورت کہنے پر چڑتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لفظ خوب صورت صرف لڑکیوں کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔"

"کیا شاہی بہت خوب صورت ہے۔" موحد کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی تھی۔

"تم سے زیادہ نہیں۔" امل کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "وہ دیکھنے میں تمہارا ہی چھوٹا بھائی لگتا ہے۔ کمال ہے یہ خیال مجھے پہلے کبھی کیوں نہیں آیا۔ میں شاہی کو بھی بتاؤں گی کہ تم اس کے بڑے بھائی لگتے ہو۔ بلکہ میں تمہاری تصویر سینڈ (بھیجوں گی) کروں گی اسے۔"

"نہیں کیا ضرورت ہے اسے تصویر سینڈ (بھیجنے کی) کرنے کی۔"

"تم کوئی لڑکی ہو جو تصویر بھیجنے سے منع کر رہے ہو۔"

"نہیں بھلا وہ اسے مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اور وہ مجھے کہاں جانتا ہے۔" موحد نے سعد کو شاپنگ بیگ اٹھائے آتے دیکھا۔

"وہ تمہیں جانتا ہے میں نے تمہارے متعلق سب کچھ بتا رکھا ہے اسے اور تم میرے دوست ہو تو ظاہر ہے اس کے بھی دوست ہوئے۔"

امل نے اپنے ایک ہاتھ میں پکڑا شاپنگ بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔

"میں اسے جانتا تک نہیں تو بھلا اس کا دوست کیسے ہو سکتا ہوں۔" موحد اکثر ہی امل کی باتوں پر حیران ہوتا تھا۔

"تم نہیں جانتے شاہی کو۔" امل کو از حد حیرت ہوئی تھی۔

"میں نے تمہیں سب کچھ تو بتا رکھا ہے شاہی کے متعلق۔"

"ہاں وہ تو ہے لیکن۔۔۔"

"لیکن ویکن کیا اور جاننا کسے کہتے ہیں۔"

"اور کیا اسے برا نہیں لگتا جب تم اسے میرے متعلق بتاتی ہو۔"

"نہیں تو۔" امل مزید حیران ہوئی تھی۔

"اسے بھلا کیوں برا لگے گا۔ جو لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں اسے بھی اچھے لگتے ہیں۔"

"تو بھی پکڑو۔" سعد نے قریب آ کر کچھ شاپنگ بیگ موحد کو پکڑائے "سب چیزیں لے لیں۔" موحد نے بیگ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں" سعد نے سر ہلایا۔ "جو کچھ لسٹ میں تھا وہ سب تو لے لیا ہے۔"

"ویسے انٹرنیشنل ایوننگ پر اور کیا کچھ ہوتا ہے۔" امل نے پوچھا۔

"سب اپنے اپنے قومی لباس پہن کر آتے ہیں اور اپنے ملک کی کوئی ڈش بنا کر لاتے ہیں۔ اور چھوٹی موٹی ایکٹیویٹیز بھی ہوتی ہیں۔ سب لوگ اس ایونٹ کو خوب انجوائے کرتے ہیں۔" سعد نے بتایا۔

"لاسٹ ایئر سعد نے بھنگڑا ڈالا تھا۔" موحد نے یاد کیا۔

"اس بار کیا کر رہے ہو۔" امل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"فی الحال تو ابھی کچھ نہیں سوچا۔ یہ تو کل یونیورسٹی جا کر ہی دیکھوں گا۔ کیا موڈ ہے۔" وہ تینوں اسٹور سے باہر آ گئے تھے۔

"کیا خیال ہے ڈسلو روڈ چلیں۔" سعد نے رائے پیش کی۔

"وہاں کیا ہے۔" امل نے پوچھا۔

"فوڈ اسٹریٹ ہے کچھ کھاتے پیتے ہیں۔" سعد کھانے پینے کا بہت شوقین تھا۔

"موٹے ہوتے جا رہے ہو سعد کسی لڑکی نے لفٹ نہیں کروانی پھر اگر تمہارے کھانے پینے کا یہ ہی حال رہا۔" امل نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"میرے نمبر ہمیشہ اس کی وجہ سے مارے جاتے ہیں یہ ساتھ نہ ہو تو پھر دیکھو لڑکیاں کیسے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ دیکھا نہیں تھا وہاں چلی فیکٹر میں وہ سرخ بالوں والی لڑکی کیسے گھور رہی تھی مجھے۔ بڑی دیر بعد مجھے یاد آیا کہ وہ وہاں دبئی میں بھی ملی تھی مجھے۔ وہاں ہمارے دبئی میں بھی ایسا ہی ایک برف کا شہر ہے۔"

"میں بھی حیران تھا کہ تم نے ابھی تک امل کو اپنے دبئی کے برف کے شہر کے متعلق کیوں نہیں بتایا۔۔۔"

وہاں مانچسٹر میں۔"

"ایکچوئلی میں وہاں اس لڑکی کو پہچاننے کی کوشش کررہا تھا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ دراصل وہ دبئی سے ہی میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی ہے۔" کبھی کبھی سعد مبالغے کی حد کردیتا تھا۔ اہل ہنس رہی تھی جب موحد کا فون بجا۔ اس نے پاکٹ سے فون نکالا۔

"بابا کا ہے۔" نمبر دیکھ کر اس نے شاپنگ بیگ سعد کو پکڑایا۔

"جی بابا۔"

"رئیلی بابا آئی کانٹ بلیو اٹ (سچ میں بابا میں یقین نہیں کرسکتا)۔ اوکے بابا میں ابھی آرہا ہوں۔"

اس کے چہرے پر سرخی بھی اور آنکھوں میں نمی تھی۔ اس نے جیسے ہی فون آف کیا۔ اہل نے بے تابی سے پوچھا۔

"کیا ہوا موحد۔"

"ماما۔۔۔ اہل ماما نے حرکت کی۔ انہوں نے ایک انگلی اوپر اٹھائی۔ ان کے پپوٹوں میں لرزش ہوئی بابا اس وقت وہاں ہی تھے۔ ان کے ڈاکٹرز وہاں جمع ہیں اور ان کے مکمل ہوش میں آنے کا انتظار کررہے ہیں۔ بابا نے مجھے بلایا ہے۔ وہ بہت ایکسائٹڈ ہورہے ہیں اور چاہتے ہیں میں بھی وہاں ہوں ان کے پاس جب ماما آنکھ کھولیں۔" اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کی نمی صاف کی۔

"تو کیا معجزہ ہوگیا ہے موحد۔" اہل نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ موحد نے سرہلایا۔ وہ آنسو پینے کی کوشش کررہا تھا۔

"بابا کہہ رہے تھے انہوں نے دایاں بازو بھی اوپر اٹھانے کی کوشش کی ہے۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"ریلیکس موحد۔" سعد نے اس کا بازو تھپتھپایا۔ "چلو پہلے گھر چلتے ہیں۔ پھر میں تمہیں ڈراپ کردیتا ہوں۔ فلائٹ شیڈول دیکھ لوں گھر جاکر تو۔ کوئی فلائٹ مل گئی نہیں تو اسٹیشن پر چھوڑ دیتا ہوں۔" موحد نے سرہلادیا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے سات سال پہلے کے سارے مناظر آرہے تھے۔ ہنستی کھیلتی اس کے لیے اس کی پسند کے کھانے تیار کرتی ماما۔

اور وہ سر جھکائے ان کے ساتھ چل رہا تھا۔

☼ ☼